APRIL 2002
ماہنامہ
کرن
شمارے کے ساتھ کرن کتاب
ننھے تارے
مفت

ہما شفیق حیدر

میں محبت اور تم

ناولٹ

Digest Novels Lovers group

"رحل بٹیا میں چاہ رہی ہوں کہ لاہور جانے سے قبل تمہارا نکاح کر دیا جائے ابو ہریرہ سے۔"

اماں نے یکدم ہی جیسے دھماکہ سا کیا تھا اور وہ جو کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ ساری کتابیں اس کے ہاتھ سے گر کر رہ گئی تھیں۔

"نکاح... میرا اماں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"وہی کہہ رہی ہوں جو تم سن رہی ہو۔"

"لیکن اماں میرا نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں ہو کیوں نہیں سکتا؟"

"اماں پلیز دیکھیں ناں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کبھی بھی اس طرح سے نہیں سوچا۔ اب یوں یکدم سے..." اس نے کہنا چاہا مگر اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"سوچا نہیں تو اب سوچ لو۔ کل عصر کے وقت تمہارا نکاح ہو گا اور پرسوں صبح تم لاہور چلی جانا۔"

انہوں نے بہت آرام سے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔ یوں جیسے اسے کل کے کسی لنچ پروگرام سے آگاہ کر رہی ہوں۔

"کل اتنی جلدی؟" حیرانی در حیرانی تھی۔

ایک تو نکاح کا دھماکہ کیا اوپر سے کل کا شیڈول اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کسی اور کے نکاح یا شادی کا انویٹیشن مل رہا ہو۔

"اماں، اماں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھامتے ہوئے کہا تھا۔ کتنی خوشی خوشی وہ اپنے لاہور جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے لالہ جی کی سفارش کروا کر اجازت لی تھی۔ اسے شروع ہی سے پنجاب یونیورسٹی بہت اٹریکٹ کرتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ اس نے ہمیشہ سے اپنے پورے تعلیمی کریئر میں صرف اسی لیے محنت کی کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے سکے۔ حالانکہ کوئی راضی نہیں تھا اس کے یوں ایڈمیشن لینے کے بقول اماں کے۔

"وہاں کوئی عزیز رشتہ دار بھی نہیں جہاں تم ٹھہر سکو۔ اکیلی لڑکی کا معاملہ ہے میرا تو دل ہولتا رہے گا۔"

حالانکہ اس نے کہا بھی کہ وہاں ہاسٹل بھی ہے مگر اماں کو جانے لاہور سے کیا چڑ تھی کہ وہ اسے بالخصوص وہاں جانے سے روک رہی تھیں۔ مگر پھر لالہ جی کے سمجھانے اور یقین دلانے پر کہ وہ ہر ہفتہ خود جا کر اس کی خبر گیری کریں گے۔ اماں نے اسے اجازت دی تھی اور اب پرسوں اس کی روانگی تھی تو اماں نے نکاح کا یہ شوشا چھوڑ دیا تھا۔

اور اگرچہ ابو ہریرہ سے اسے کوئی خاص پرخاش تو نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ ذہنی طور پر اس قسم کے کسی بندھن کے لیے تیار نہیں تھی۔ تبھی اسے ازحد شاک سا لگا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم آج زرتاشہ کے ساتھ بازار جا کر ضروری خریداری کر لینا اور اپنے جن فرینڈز کو تم

Digestlibrary.com

انوائیٹ کرنا چاہو گی انہیں بھی بلا لینا۔"

اماں نے اس کی پرسوچ خاموشی کا الٹ مطلب لیتے ہوئے کہا تھا۔

"اماں میں یہ نکاح نہیں کروں گی۔"

"رحل میں تمہارا کسی قسم کا انکار نہیں سنوں گی اگر تم نے لاہور جانا ہے تو کل نکاح ضرور ہو گا۔"

"کیا یہ آپ کی شرط ہے؟"

"ہاں یہ ہی سمجھ لو۔"

"پلیز اماں آپ بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں؟"

"کیا سمجھوں...؟ کیا سمجھانا چاہ رہی ہو تم مجھے؟"

Digitallibrary7.com

"دیکھیں اماں میں ابھی ذہنی طور پر اس قسم کے کسی کام کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں نے ابھی صرف پڑھنا ہے اور بس۔"

"دیکھو رحل ذہنی طور پر تیار نہ ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ تمہاری عمر اس قسم کی ہے، جب اس طرح کے بندھن قائم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس نکاح سے تمہاری پڑھائی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تم جب تک چاہو گی پڑھو گی رخصتی تمہاری مرضی سے پڑھائی ختم ہونے کے بعد کی جائے گی۔"

"اماں... تو پھر نکاح بھی اسی وقت کر دیجیے گا۔"

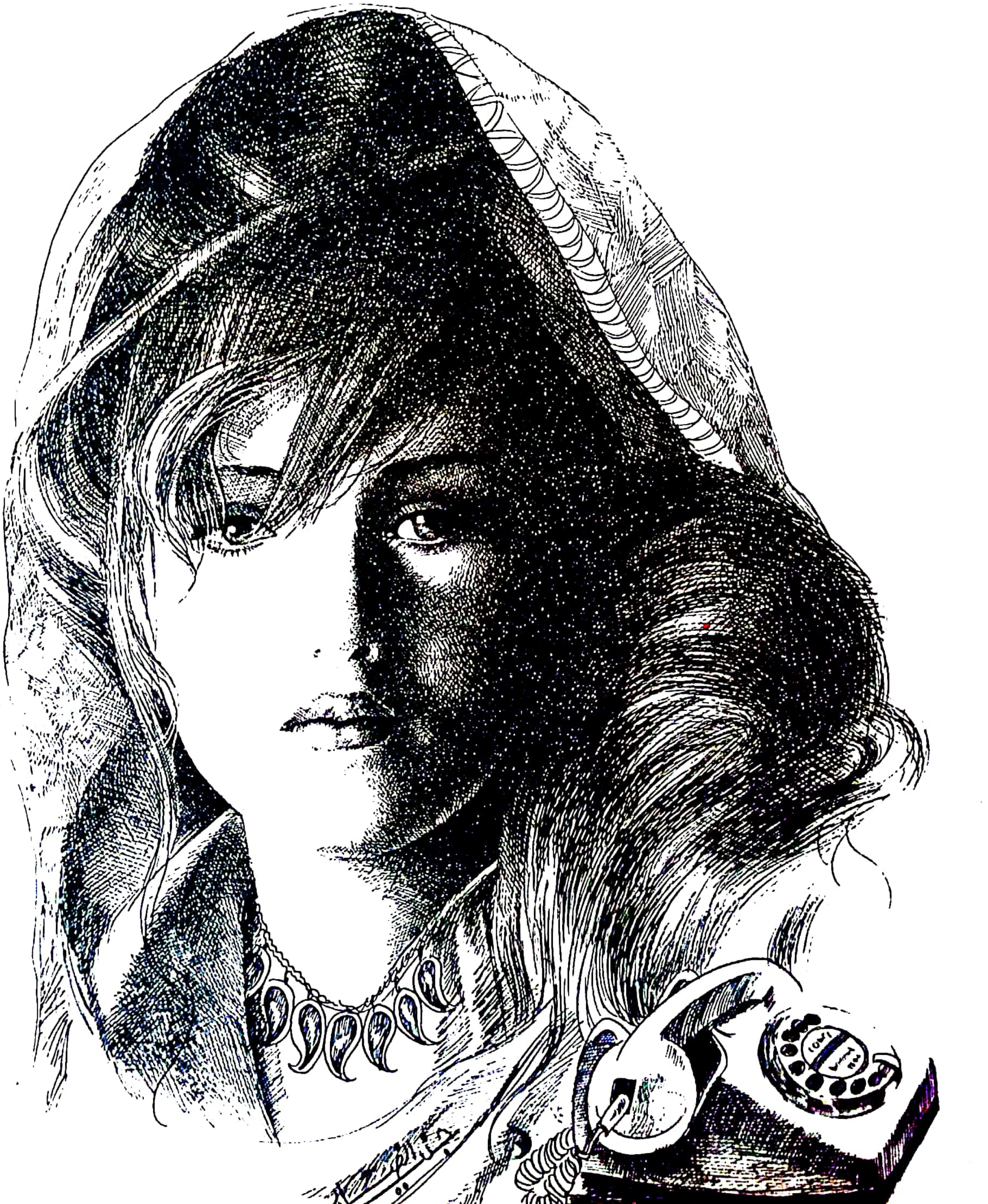

"اب کیا قباحت ہے؟"

"قباحت یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر تیار نہیں۔"

"یہ کوئی ٹھوس جواز نہیں ہے۔" انہوں نے اس کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"اماں آخر آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ آپ کو کیا ملا نکاح اور شادی کرنے سے جو مجھے مل جائے گا۔ مجھے پڑھنے دیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے دیں تاکہ کل کو اگر مجھے آپ کی طرح کے مسائل کا سامنا ہو تو میں بہتر طور پر ان کا مقابلہ کر سکوں، حالات کے سامنے۔"

اس نے کہنا چاہا مگر اماں کے تھپڑ نے اسے خاموش کرا دیا۔

"رحل آج کہہ دیا مگر آئندہ مت کہنا۔ خدا نہ کرے کہ تمہیں میرے جیسے حالات سے گزرنا پڑے۔ انہی حالات سے بچانے کے لیے تو تمہارا نکاح کر رہی ہوں۔ تم نے پھر وہی بات کہہ دی۔ ایسی بات مت کہا کرو جسے میرا دل نہ سہار سکے۔

ساری عمر کی پونجی ہو تم میری۔ واحد رشتہ جسے میں عرصے سے انہی حالات سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اگر تمہیں بھی خدانخواستہ میرے جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا تو میں مر جاؤں گی خدا کی قسم۔" انہوں نے روتے ہوئے اسے سینے سے لگایا تھا۔

"اماں... اماں سوری۔ آئندہ ایسے نہیں کہوں گی مگر آپ بھی پلیز ضد مت کریں۔"

"رحل بٹیا اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو۔ وعدہ اس کے بعد تم سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔" اماں نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔ ان کے اس انداز پر اس کی آنکھیں بے ساختہ بھر آئی تھیں۔

"اماں یوں مت کہیں آپ کا حق ہے مجھ پر اور اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں اسے ٹالوں گی نہیں۔ آپ کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ کچھ بھی منوا سکتی ہیں مجھ سے اس لیے کہ آپ میری ماں ہیں اور مجھے آپ سے محبت ہے۔ بہت زیادہ ڈھیر ساری اتنی کہ یہ کائنات بھی اس کے مقابلے میں تھوڑی ہے۔" اس نے ان کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا تھا۔

"رحل میری بیٹی خدا تمہیں عمر بھر صرف خوشیاں ہی دکھائے یا پھر اپنی محبتیں اور بس۔" اماں نے اسے دعا دی تو وہ سرشار سی ہو گئی۔

"اس کے بعد اور کیا چاہیے زندگی میں؟" اس نے اپنے دل سے سوال کیا تھا جہاں سے بے ساختہ آواز آئی تھی۔

"کچھ نہیں..."

♥ ♡ ♡ ♥

اپنی اپنی تنہائی کی دیواریں چنتے ہوئے
اپنی اپنی بدنصیبی کے ہاتھوں لٹتے ہوئے
ہم
کون کون سے زخموں پر پھاہے رکھیں
اب تو پرندے پال لینے سے بھی تنہائی نہیں کٹتی
نہ عبادت سے نصیب بدلتے ہیں
روکھی سوکھی کھا کے لیٹ جانے سے
اب نیند نہیں آتی
آبلے گننے بیٹھ جائیں تو گنتے ہی رہیں
دکھ چننے بیٹھ جائیں تو چھنتے ہی رہیں

۱۴ اپریل ۲۰۰۱ء

اور آج مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے اپنے دل پر بننے والے آبلوں میں سے ایک آبلہ پر مرہم رکھ دیا ہو یوں جیسے ان دیکھے خدشوں میں سے ایک خدشے کو موت کی نیند سلا دیا ہو۔

میرے اندر بننے اور گونجنے والی کرلاتی کونجوں کی چیخوں میں سے ایک چیخ کم ہو گئی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے آج اس لمحے تقدیر کو شکست دے دی ہو۔ پورے بائیس برس بعد میں نے تقدیر کو مات دے دی اور بھلا اس سے بڑھ کر خوشی میرے لیے کیا ہوگی؟

اور میری بیٹی رحل حسن آفندی! جس کا بڑھتا قد مجھے ہر لمحہ تقدیر کی ستم ظریفیوں کی یاد دلائے رکھتا۔ آج ابوہریرہ سے اس کا نکاح کر کے میں کس قدر

مطمئن ہوں۔ کاش کوئی جانتا ہوتا۔

اور رحل میری بیٹی وہ کتنی مشکل سے اس کے لیے آمادہ ہوئی ہے مجھے یہ بھی علم ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ یہ سب اس کے لیے کتنا ضروری تھا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کتنی بے قرار رہتی۔ کسی کو کیا علم؟

مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے زور آور تقدیر کو شکست دے دی ہو۔ کسی "ہونی" کو ٹال دیا ہو۔ ایک عرصہ تلک بننے اور پھوٹنے والے آبلوں میں سے گویا ایک آبلہ کم کر دیا ہو۔

عرصہ قبل اپنے خلاف ڈٹ جانے والی دنیا کو آج پہلی بار میں نے سر اٹھا کر دیکھا ہے اور یہ سب عرفات لالہ کی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا۔ جنہوں نے مجھے زندگی کے ہر لمحہ میں سہارا دیا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ میری چھت بنے رہے۔ خدا انہیں لمبی خوشیوں بھری زندگی دے۔ (آمین)

اور میری بیٹی۔ رحل حسن آفندی! وہ دلہن بن کر کس قدر پیاری لگ رہی تھی۔ یوں جیسے کسی موم کی گڑیا کو انجانے دیس کی سیر کرا دی ہو۔ حیران کچھ گھبرائی ہوئی۔ دنیا کو اجنبی اور نا آشنا نظروں سے دیکھتی ہوئی میری بیٹی زندگی میں پہلی بار مجھے اتنی خوب صورت لگی کہ میرا دل چاہا اسے اپنے دل کے دعاؤں بھرے گوشے میں ہمیشہ کے لیے سجا لوں چھپا لوں۔

زندگی میں پہلی بار اس کو میں نے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا تھا یوں کہ ابوہریرہ نے بے ساختہ مجھے کہا تھا۔

"پھپھو آپ رحل کو یوں دیکھ رہی ہیں جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔"

"ہوں ایسا ہی ہے۔ اتنی پیاری میری بیٹی کبھی نہیں لگی۔"

"اور یہ سب مابدولت کی وجہ سے ہوا ہے ہے ناں۔"

اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو میں نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

"ابوہریرہ میری بیٹی کو کبھی کوئی دکھ نہ دینا۔ یہ میرے دل کا وہ ٹکڑا ہے جسے دیکھ کر میں مسکراتی ہوں۔ میں اس کا کوئی دکھ نہیں برداشت کر سکوں گی۔" میں نے جھلملاتی آنکھوں سے کہا تھا۔

"پھپھو کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

"تم پر تو ہے مگر تقدیر پر نہیں ہے۔"

میں نے اس سے کہا تھا اور اسے کیا علم کہ اس مقدر نے مجھے کیا کیا رنگ دکھلائے تھے۔ ساری زندگی اس مقدر نے مجھے ٹھوکروں میں رکھا ہے۔ یوں کہ نہ کوئی دعا کام آئی اور نہ کوئی اسم۔

ایک محبت بھری آنکھ کی توجہ چاہنے کے جرم میں مقدر نے عمر بھر کی آبلہ پائی میرے نصیب میں رقم کر دی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری بیٹی بھی اس المیے کا شکار ہو تبھی تو میں نے اسے نکاح کے اس بندھن میں باندھ دیا تھا۔

خواہشیں جائز ہوں تو مقدر بھی دوستی کے گر آزماتا ہے اور اگر چاند کو دامن میں بھر لینے کی خواہش کی جائے تو ہاتھ کیا آتا ہے محض رسوائی اور رسوا آنچل کو دنیا کس طرح تار تار کرتی ہے یہ کوئی میرے دل سے پوچھے۔

انہوں نے ڈائری بند کر دی تھی۔

نہ کوئی موسم ہمارے مابین کی بشارتوں کا
نہ اظہار ذہن و دل کی تہوں میں رہتی رفاقتوں کی کہانیوں کا
نہ احساس قربتوں کا
نہ ایک بارش میں بھیگتے ہم کہیں سے گزرے
نہ جسم و جاں کی مہک نے قدموں کو ڈگمگایا
نہ کوئی بھونچال خواہشوں کے بدن میں آیا
نہ ہم نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں خواب دیکھے
نہ ہاتھ تھامے ہوئے وفا کے سفر پہ نکلے
نہ یاد رکھا نہ راہ بھولے
نہ ہم نے ایک دوسرے کی عمروں کو ایک سطح پر لا کر مثال حرف غلط مٹایا
نہ دل میں ایسے کسی بھی احساس کو جگایا
مگر ظالم ہوا نے کیسی فضا بنا دی

کہ اب یہی راستہ ہے
اب اس پر چلنے سے پاؤں چھلنی بھی ہو رہے ہیں تو
ہونٹ سی لیں
جو خواب دیکھے نہیں تھے ہم نے
انہی کے ہونے کا زہر پی لیں!

وہ آج صبح ہی لاہور پہنچی تھی۔ ابوہریرہ اسے ہاسٹل چھوڑ گیا تھا۔ تمام ڈیوز بھی اسی نے ادا کیے تھے اس کے علاوہ اس نے اسے کافی مقدار میں سیلڈ پیک لا کر دیے تھے تاکہ اسے بازار کے چکر نہ لگانے پڑیں۔ ساتھ ہی تاکید کر دی تھی کہ اگلے ہفتے وہ چکر لگائے گا۔ جن اشیاء کی اسے ضرورت ہو اس کی لسٹ بنا کر رکھے وہ اسے لا دے گا۔ خود اسے بازار میں رلنے کی ضرورت نہیں۔

اور اگرچہ اسے خود بھی بازار کے چکر لگانے کا شوق نہیں تھا مگر اس کا اس قدر کیئرنگ رویہ جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ ہمیشہ سے اس کے ساتھ ایسا ہی رویہ رکھا گیا تھا۔ چاہے وہ لالہ جی ہوں۔ ابوہریرہ ہوں یا تیمن مامی یا پھر اماں۔ سب اسے کانچ کی گڑیا کی طرح سنبھال کر رکھتے تھے۔ یوں جیسے باہر کے ایک ہی جھونکے سے چٹخ جائے گی۔

اتنی زیادہ احتیاط پر کبھی کبھی تو وہ بیزار ہو جاتی اس کا دل چاہتا کہ وہ آزاد ہوا کی طرح گنگناتی ڈولتی پھرے۔ کوئی اسے نہ روکے نہ ٹوکے مگر ایسا ممکن نہ تھا۔

وہ ذرا باہر لان میں چلی جاتی تو اماں ٹوکتیں۔

"باہر مت جایا کرو لو لگ جائے گی یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے سینہ جکڑا جائے گا۔"

یہی حال چھت کا تھا اسے یوں نازک بنا دیا گیا تھا کہ اب وہ باہر نکلنے سے قبل دس دفعہ تو لازما" سوچتی۔

لاہور آنے کا شوق اسے اس وجہ سے بھی ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ کو آزمانا چاہتی تھی۔ دنیا کو اپنی نظر سے دیکھنا چاہتی تھی۔

مگر وائے افسوس! اماں نے اس کے پر کاٹ کر اسے اڑنے کی اجازت دی تھی۔

ابوہریرہ کو اس نے کبھی بھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ ہمیشہ اس کے خواب پڑھنے اور بڑا آدمی بننے تک محدود رہے تھے۔ زندگی کے اس رنگ' اس پہلو کی طرف اس نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ یا شاید جان بوجھ کر اس نے اس سے نظریں چرائے رکھی تھیں۔

شاید اس لیے کہ اماں کی زندگی کا تجربہ اس کے لیے کافی تھا۔ اس قسم کا کوئی بھی بندھن اسے محض دکھ کی تشریح لگا کرتا اس لیے وہ کبھی بھی اس کے لیے خود کو سوچنے پر آمادہ نہ کر پائی۔ اس کی فیلوز جب اپنے فیانسی یا آئیڈیل کا ذکر کرتیں تو وہ چپ چاپ کتابوں میں سر گھسائے نوٹس تیار کرتی رہتی۔

اس ٹاپک سے جتنی الرجی تھی اس کی تمام فیلوز جانتی تھیں تبھی تو کبھی اسے اس ٹاپک میں شریک نہیں کیا تھا۔

اور اب... اب کیا ہوا؟ ہزار اس کے انکار کرنے پر اس کے ساتھ بھی وہی ہوا جو شاید اس معاشرے کی نوے فیصد لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے اقرار... انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور وہ عمر بھر کے لیے اس شخص کی بنا دی گئی جس کے ساتھ کبھی اس نے عمر بسر کرنے کے خواب نہیں دیکھے تھے۔

چلو کوئی بات نہیں زندگی میں یہ واقعہ بھی ہونا تھا۔ اچھا ہے کہ اس میں اماں کی مرضی شامل رہی وہ چاہے ابوہریرہ ہوتا یا کوئی اور میرے لیے اماں کی خوشی اہم ہے اور شاید زندگی میں کبھی اماں کی خوشی میری خوشی بھی بن جائے ابھی تو نہ ذہن آمادہ ہے نہ دل۔ کوئی خواہش نہیں...... بس پتھروں کی سی خامشی ہے شاید کبھی خامشی کا یہ منظر آرزو کی چاپ سے بہل جائے۔ بہرحال ابھی تو مجھے اپنا مقصد حاصل کرنا ہے پڑھنا ہے اور بہت سا پڑھنا ہے۔ یوں کہ پھر کوئی مجھے ہرا نہ سکے نہ دل اور نہ حالات۔

اس نے دل کو تھپکتے بہلاتے ہوئے تکیے پر سر رکھا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

مل بھی جائے گر یہ دنیا اور تو

Digest Novels Lovers Group

پھر بھی شاید اک کمی باقی رہے گی

کلاسز شروع ہوئے ایک مہینہ ہو چکا تھا اور اس نے کافی حد تک خود کو ایڈجسٹ بھی کر لیا تھا۔ اس کی روم میٹ ایمن عابدی بہت اچھی لڑکی تھی۔ لاہور کے چپے چپے سے واقف۔ اس لیے اسے زیادہ مشکل نہیں ہوئی تھی۔ ایمن کا گھر اگرچہ لاہور ہی میں تھا مگر شور شرابے کی وجہ سے وہ ہاسٹل میں رہ رہی تھی بقول اس کے۔

"میرے گھر جا کر بندہ ایک لمحہ کو ضرور یہ سوچتا ہے کہ شاید وہ چڑیا گھر آ گیا ہے۔" ایمن کی اس بات پر وہ بہت ہنسی تھی۔ زندہ دل سی وہ لڑکی اسے زرتاشہ کی مانند لگی تھی اور اس نے زرتاشہ کو خط میں یہ ریمارک بھی لکھ دیا تھا جس پر اس نے سخت خفگی سے لکھ بھیجا تھا کہ شاید کچھ عرصے بعد وہ اسے بھول جائے اور صرف ایمن کو یاد رکھے۔ کیونکہ اس کے خط زیادہ تر اسی کے ذکر سے بھرے ہوئے تھے۔ زرتاشہ کی یہ بات پڑھ کر وہ اور ایمن خوب ہنسی تھیں۔

اس دن ایمن کی طبیعت خراب تھی اس لیے اس نے کلاسز اٹینڈ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چونکہ شروع شروع کے دن تھے اس لیے وہ کلاسز مس نہیں کرنا چاہتی تھی ایمن کو ناشتہ دے کر وہ یونیورسٹی چلی آئی خیال تھا کہ جلدی واپس آ جائے گی۔ تبھی تو اسے تاکید کر آئی تھی کہ اس کا انتظار کرے وہ خود اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائے گی۔

پہلا پیریڈ ڈرامہ کا سر عبداللہ شاہ کا تھا اور وہ حسب معمول اپنی مخصوص جگہ پر براجمان تھی۔ ایمن کی جگہ ساتھ میں خالی پڑی تھی۔ ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ دیکھ دیکھ کر شاید لوگ عادی ہو گئے تھے تبھی اس کی ساتھ والی جگہ پر کوئی آ کر نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے بھی بڑے مزے سے اس کی چیئر پر کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور خود سامنے لیکچر فائل کھولے پچھلا لیکچر دہرا رہی تھی۔ کہ یکدم کسی نے اسے چونکا سا دیا۔

"ایکسکیوزمی مس' یہ کتابیں اٹھا لیں۔"

"کیوں...؟"

اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ سامنے لمبا سا گہری آنکھوں والا لڑکا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اسے عجیب سا مانوس سا احساس ہوا تھا۔

"میں نے بیٹھنا ہے اس لیے۔" اس نے اس کے کیوں کا جواب دیا تھا۔

"آپ کسی اور جگہ بیٹھ جائیں یہ سیٹ ریزرو ہے۔"

"کس کے لیے...؟ میرے لیے ناں؟"

عجیب بدتمیزی سی شوخی سے اس نے کہا تھا۔

"خوش فہمی کا علاج کروایئے آپ! اور میرا وقت ضائع مت کریں کسی اور جگہ آپ بیٹھ جائیں۔"

"مگر میں اسی جگہ بیٹھوں گا۔"

اس نے ہٹ دھرمی سے کہا اور کتابیں اٹھا کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے خود بیٹھ گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بدتمیزی یہ نہیں وہ ہے جو آپ کر رہی ہیں۔ خوامخواہ میں سیٹ ریزرو کر رکھی ہے۔"

آپ...؟" غصے سے وہ سرخ ہو اٹھی تھی۔ بس نہ چل رہا تھا کہ اس کا حلیہ بگاڑ دیتی۔

"جی میں... مجھے معلوم ہے کہ میں بہت خوب صورت ہوں۔ مگر ایسا بھی کیا کہ نظر نہ ہٹے۔" وہ مسلسل اسے ٹیز کر رہا تھا۔

"حد ہوتی ہے خوش فہمی کی۔"

"مگر میرے جیسے خوب صورت لوگوں کے لیے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

"مانتے ہیں ناں کہ آپ خوش فہم ہیں۔" اس نے اس کی بات سے نکتہ اٹھایا تھا۔

"گڈ... مجھے آپ جیسی ذہین لڑکیاں اٹریکٹ کرتی ہیں۔" اس نے کہا تو اسے یکدم اپنی پوزیشن کا احساس ہوا۔ کس طرح وہ ایک اجنبی لڑکے سے مسلسل گفتگو بلکہ بحث میں مصروف تھی۔

"کیا ہوا؟" آپ خاموش کیوں ہو گئیں۔

اس نے پوچھا تھا مگر اس نے کوئی جواب دیے بنا فائل کھولی اور دوبارہ سے اس میں مگن ہو گئی۔ اسی وقت سر عبداللہ کلاس میں داخل ہوئے تو وہ مزید اس کی باتوں میں الجھنے سے بچ گئی۔ پھر پورے پیریڈ اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی تھی۔

"مائی گاڈ عجیب بے تکا بندہ ہے؟" کلاس ختم ہونے پر اس نے بغیر اس کی طرف دیکھے باہر نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

ہم سے کرتا ہے گفتگو اب بھی
درد ہے دل کے روبرو اب بھی
مئی

آج رحل کو گھر سے گئے پورے بائیس دن ہو گئے ہیں اور میرا دل کتنی شدت سے اسے دیکھنے اسے پیار کرنے کو چاہتا ہے کوئی کیا جانے؟ مگر لالہ کہتے ہیں کہ ابھی شروع شروع کے دن ہیں وہ آ کر نہیں رہ سکتی وگرنہ ادھر اسے ایڈجسٹ ہونے میں پرابلم ہو گی۔ ان کی بات بھی ٹھیک ہے۔ تبھی تو اتنے دن سے میں نے دل پر پتھر رکھا ہوا ہے۔ ہاں البتہ خط میں اسے ہر ہفتے لکھتی ہوں اور تقریباً" روز ہی فون پر بات بھی ہو جاتی ہے۔ مگر اسے اپنے سامنے دیکھنے اور پاس بٹھا کر بات کرنے کی جو خواہش ہے وہ کبھی کبھی اتنی شدت سے دل کو تنگ کرتی ہے کہ میں بے بس ہو جاتی ہوں۔

اور پتہ نہیں یہ محبت بھی کیا شئے ہے؟ ذہن و دل کو مسخر کر دینے والی اختیار سے باہر بے بس و بے قرار کر دینے والی۔ ساری عمر اس ایک محبت نے مجھے کتنا بے قرار رکھا کوئی کیا جانے؟

کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اس محبت نے جتنے نقصان میرے کیے ہیں اس کے بعد تو میرے دل میں اس جذبے کے لیے ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں رہنی چاہیے تھی مگر پتہ نہیں کیوں میرے دل سے محبت کا اثر نہیں جاتا۔ اتنے نقصان سہنے کے بعد بھی بس یہ دل محبت کے لیے کرلاتا ہے۔ اس کا ورد کرتا ہے۔

اور یہ دل...!

یہ دل تو زوار حسن آفندی کو بھی نہیں بھول سکا۔ آج بھی اسے یاد رکھے ہوئے ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح مجھ پر اور میرے دل پر آشکار ہو چکی ہے کہ زوار حسن آفندی محض ایک دھوکہ تھا ایک نقصان جو کچھ لمحوں کے لیے میری زندگی میں آیا اور مجھے ہمیشہ کے نقصان دے کر دنیا کے ہجوم میں کھو گیا۔

اور وہ شخص زوار حسن آفندی... پتہ نہیں اسے علم بھی ہے یا نہیں کہ اس کی ایک پیاری سی بیٹی بھی ہے۔ رحل حسن آفندی۔ جسے دیکھ کر بے ساختہ مجھے سنہری صبحوں کی یاد آجاتی ہے۔

میٹھے اور کومل سروں میں بولنے والی میری بیٹی جو کسی کے دل کو بھی اسیر کر سکتی ہے اور شاید اس خدشے کے پیش نظر میں نے اس کا نکاح ابوہریرہ سے کر دیا ہے۔

قدموں میں پڑی زنجیر کسی بھی دوسری تیسری راہ کی طرف بندے کو نکلنے نہیں دیتی۔ یہی سوچ کر میں نے اپنی بیٹی کو نکاح کی زنجیر میں مقید کر دیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے اس پر اعتبار نہیں بلکہ محض اس لیے کہ تقدیر اس کے ساتھ وہ کھیل نہ کھیل سکے جو اس نے میرے ساتھ کھیلا تھا۔

احتیاط لازم ہے ناں...!

♥ ♡ ♡ ♥

یہ دن' یہ رات یہ لمحے اچھے لگتے ہیں
نہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تم ہی تک کے دائرے اچھے لگتے ہیں

آج ویک اینڈ تھا۔ صبح سے ہی ان کا دھیان لاہور کی جانب رواں دواں تھا۔ دل مسلسل بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ سو بہت ہار کر بابا سے کہہ کر وہ لاہور روانہ ہو گئے تھے۔ بہانہ یہ کیا تھا کہ۔

"پھپھو نے رحل کو کچھ چیزیں بھجوانی ہیں۔ مسلسل دو دن سے کہہ رہی ہیں۔ آج اسے دے آؤں گا اور ساتھ ہی وہاں کے کام بھی نپٹا آؤں گا۔"

انہوں نے خوامخواہ کی وضاحت کی تھی۔ جبکہ بابا

نے بے ساختہ ابھرنے والی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سوچا تھا کہ۔

"یہ کل کے بچے ہمیں کتنا انجان سمجھتے ہیں جذبوں کے اس کھیل سے..... عشاء نے اگر چیزیں بھجوانی ہوتیں تو مجھے کہہ سکتی تھی آخر میں بھی تو دو دن قبل لاہور رحل سے ملنے گیا تھا۔

مگر انہوں نے اسے کہا نہیں تھا' ایک جائز تعلق تھا ان کے درمیان اگر وہ اس سے ملنے جانا چاہتا تھا تو اچھی بات تھی۔ اسی بہانے رحل بھی اس سے مانوس ہو جاتی اور ابو ہریرہ کے دل میں بھی اس کے حوالے سے ذمہ داری نبھانے کا احساس پیدا ہوتا' یہی سوچتے ہوئے انہوں نے ابو ہریرہ کو اجازت دے دی تھی۔

اور اب وہ اس کے ہاسٹل وزیٹنگ روم میں کھڑے مسلسل یہ سوچ رہے تھے کہ اگر اس نے آنے کا مقصد پوچھ لیا تو کیا بتائیں گے کہ پھپھو کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ وہ لاہور جا رہے ہیں یا رحل کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ہفتے بابا لاہور کا چکر لگاتے رہتے تھے اور پھپھو ان کے ہاتھ کافی کچھ اسے بھیجتی رہتی تھیں اس لیے اس ہفتے ان کا کچھ بھی بھیجنے کا ارادہ نہ تھا۔ اور اگر تھا بھی تو ان کے علم میں نہیں تھا۔

"السلام علیکم۔"

ابھی وہ اسی کشمکش و پنچ میں کھڑے تھے کہ رحل آفندی کی کومل سروں والی آواز گونجی تھی۔

"وعلیکم السلام۔"

انہوں نے بے ساختہ رخ دروازے کی طرف موڑتے ہوئے نظر بھر کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ سادہ سے گرین کاٹن کے سوٹ میں گھنی پلکوں والی آنکھوں میں معصوم سی حیرانی لیے وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"گھر میں تو سب خیریت سے ہیں۔" انہیں خاموش دیکھ کر اس نے بے قراری سے سوال کیا تھا۔

"ہوں.....!"

"پھر آپ.....؟" وہ جھجک کر رکی تھی۔

"کیا میں.....؟"

"مم..... میرا مطلب ہے۔ آپ' آپ یہاں کیسے آئے؟"

"کیوں میرا آنا منع ہے کیا؟" انہیں اس کی گھبراہٹ نے لطف دیا تھا۔

"نہیں منع تو نہیں لیکن ابھی کچھ دن قبل ہی تو لالہ جی مل کر گئے ہیں۔ اب آپ۔" وہ وضاحت کرنے میں ناکام رہی تھی۔

"بھئی بابا اپنی جگہ پر ہیں۔ میں اپنی جگہ کیا مجھے نہیں آنا چاہیے تمہاری خبر گیری کرنے کے لیے؟"

"نن..... نہیں مم' میرا مطلب ہے آ سکتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ ہولے سے مسکرائے تھے۔ شاید اس کی گھبراہٹ پر۔

"اچھا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔"

"نہیں۔"

"سوچ لو۔"

"نہیں..... سب کچھ ہے میرے پاس۔"

"واقعی۔" انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟"

انجان آنکھیں ان کی طرف اٹھی تھیں اور زندگی میں پہلی بار انہیں احساس ہوا تھا کہ دل اپنی beats کب مس کرتا ہے۔

"مطلب یہ کہ بکس وغیرہ کی تو ضرورت نہیں۔ نوٹس مکمل ہیں تمہارے۔ اسٹڈیز وغیرہ میں تو کوئی مشکل نہیں ہو رہی۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے اوپر تلے سوالات کیے تھے۔

"جی تقریباً" مکمل ہیں اور فی الحال بکس میرے پاس تمام موجود ہیں۔" لالہ جی اس دفعہ مجھے بازار لے کر گئے تھے تو میں لے آئی تھی۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"اور تمہارا ٹیسٹ شیڈول شروع ہو چکا ہے۔"

"نہیں ابھی کچھ اسائنمنٹ رہتی ہیں۔ اس کے بعد اناؤنس ہو گا۔ ویسے میں ساتھ ساتھ تیاری کر رہی ہوں۔ اس لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔"

"ہوں..... کوئی مشکل ہو تو مجھے بتانا اور ہاں اگلے

ہفتے پھپھو سے ملنے کے لیے تیار رہنا۔ ایپلی کیشن دے دینا میں آکر تمہیں لے جاؤں گا۔ پھپھو بہت اداس ہو رہی ہیں۔"

"میں خود بہت اداس ہو رہی ہوں اور میں نے لالہ جی سے کہا تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جائیں مگر انہوں نے بھی یہ ہی کہا تھا کہ اگلے ویک اینڈ پر لے کر جاؤں گا۔" رحل نے سادگی سے بتایا تھا۔

"ہوں مجھے بھی کہہ رہے تھے۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا ہے۔ بہرحال اپنا دھیان رکھنا اور یہ رکھ لو۔" انہوں نے والٹ سے کچھ نوٹ نکال کر اسے تھمائے تھے۔

"میں ان کا کیا کروں گی؟"

"جو اور لوگ کرتے ہیں رکھ لو ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"مگر میرے پاس کافی ہیں۔ لالہ جی بھی دے کر گئے تھے اور اماں نے بھی بھجوائے تھے۔ یہ آپ لے لیں۔" اس نے وہ نوٹ انہیں دینے چاہے تھے۔

"نہیں یہ رکھ لو۔ اب تم میری ذمہ داری ہو اور میں اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنی ذمہ داری سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ ٹھیک ہے ناں۔" انہوں نے گہرے لہجے میں کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا اگلے ہفتے میں لینے آؤں گا ٹیک کیئر۔" انہوں نے کہا اور یکدم ہی باہر نکل گئے۔ جبکہ وہ ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر بے ساختہ سوچ رہی تھی۔

"پتہ نہیں آج ابوہریرہ اتنے مختلف سے کیوں لگ رہے تھے؟"

♥ ♡ ♡ ♥

اعتبار مت کرنا
چاند کی اداسی کا
منزلوں کی قربت کا
درد کی جدائی کا
بے کلی کی فرقت کا
چاہتوں میں خوشیوں کا
راستے میں لوگوں کا
شہر کی محبت کا
پیار کے مسافر کا
ہجر کے بہانے کا
اعتبار مت کرنا
آنسوؤں کے بہنے کا
عمر بھر زمانے کا
اعتبار مت کرنا

Digest Novels Lovers group

آج کل پڑھائی زوروں پر جا رہی تھی۔ اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں ان کے سمسٹرز تھے۔ سو تقریباً" سب لوگ ہی پڑھائی میں جتے ہوئے تھے۔ ہاسٹل میں ہونے والی آئے دن کی ایکٹیویٹیز بھی تقریباً" مدھم پڑ چکی تھیں۔

اسے ان سمسٹرز کی زیادہ فکر اس لیے بھی تھی کہ تقریباً" تمام ٹیچرز کی نظر میں اپنے ٹیسٹ اور اسائنمنٹ کی وجہ سے وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ کا امیج بنا چکی تھی۔ کچھ کلاس میں کمپیٹیشن بھی کافی حد تک ڈویلپ ہو چکا تھا خصوصاً" اس کا اور آشان حسن آفندی کا کافی ٹف کمپیٹیشن تھا۔

اور وہ آشان حسن آفندی جس کے بارے میں اسے اگلے ہی دن پتہ چلا تھا کہ وہ ایمن عابدی کا تایا زاد ہے۔ آج بھی روز اول کی طرح اس سے ہر لمحہ بحث پر آمادہ رہتا۔ اس کی ہر بات کی نفی کرنا گویا اس کے لیے فرض عین تھا۔ اور یہ بات نہ صرف اس نے بلکہ باقی فیلوز نے بھی محسوس کی تھی۔ حالانکہ اس کی زیادہ کوشش یہ ہی ہوتی تھی کہ وہ اسے بات کرنے کا موقع نہ دے مگر پھر بھی اس کا شیطانی ذہن کوئی نہ کوئی موقع نکال لیتا تھا۔

اس دن بھی سر ثاقب شیراز کے نہ آنے کی وجہ سے پیریڈ فری تھا۔ وہ ایمن کو ساتھ لے کر لائبریری چلی آئی تاکہ کچھ اسائنمنٹس کے ریفرنس چیک کر لیں اور ابھی انہیں کتابوں سے الجھتے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ ان کی ٹیبل تک چلا آیا۔

"ہیلو گرلز۔"

"اسلام علیکم" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر اس کو غلطی کا احساس دلایا تھا۔

"وعلیکم اسلام جیتی رہو اور کیا تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے؟"

اس نے ایمن کو لتاڑا تھا۔ اور پتہ نہیں کیوں ایمن اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ کزنز ہونے کے ناطے سے انہیں ایک دوسرے سے فری ہونا چاہیے تھا۔ اس نے جب یہ بات ایمن سے پوچھی تھی تو اس نے جواباً "یہ کہہ کر اسے خاموش کرا دیا تھا۔

"بس ایسے ہی اس کے انٹرسٹ ڈفرنٹ ہیں۔ کچھ میرے پاس بھی ٹائم نہیں ہوتا۔ میں گھر کہاں ہوتی ہوں کہ اس سے زیادہ بات چیت ہوسکے۔"

اور اگرچہ اس کے جواب نے اسے مطمئن تو نہیں کیا تھا مگر وہ خاموش ہو رہی کہ اسے پرسنلز ڈسکس کرنے کی زیادہ عادت نہ تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ اس سے خود اپنے پرسنلز سامنے آجاتے ہیں۔

"آپ کو کوئی کام ہے ہم سے۔" ایمن نے کتاب میں نشانی رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ کوئی کام ہو تو میں تبھی تم لوگوں سے بات کر سکتا ہوں۔"

"نہیں... لیکن ادھر ادھر کی باتوں میں ہمارا وقت بھی ضائع مت کریں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے نہیں کرتا تمہارا وقت ضائع۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"آپ کا وقت تو لے سکتا ہوں ناں رحل۔"

"کام کیا ہے آپ کو؟" وہ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر بولی تھی۔

"لیں آپ بھی وہی سوال کر رہی ہیں۔ بھئی کام کے علاوہ بات نہیں ہو سکتی؟"

"نہیں...!"

"کیوں...؟"

"پلیز آشان حسن...!" وہ زچ سی ہوئی تھی۔

"اوکے۔ مجھے کلاسیکل کے نوٹس چاہئیں۔"

"آپ کے اپنے کہاں ہیں؟"

"مجھے کہا جاتا ہے کہ ٹو دی پوائنٹ بات کرو اور خود اتنے سوال!۔۔۔ بھئی شروع کے لیکچرز میرے پاس نہیں تھے اس لیے مانگ رہا ہوں۔"

"میں نے خود تیاری کرنی ہے آپ کسی اور سے لے لیں۔"

"مگر جو تمہارے نوٹس میں بات ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ ایمن نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"آپ کو لیکچر چاہیے ناں تو وہ تو same ہیں۔ رہی بات نوٹس کی تو وہ آپ خود بنائیے۔ میرے نوٹس فالتو نہیں کہ ہر ایک کو دیتی پھروں۔" اس نے گویا آنکھیں ماتھے پر رکھی تھیں۔

"کتنی بری بات ہے لڑکی علم کو محدود کر رہی ہو۔"

"علم کو محدود نہیں کر رہی دوسروں کی محنت پر عیش کرنے کی عادت کو ختم کر رہی ہوں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

"دوسروں کی محنت کیوں بھئی تم نے محنت کی میں نے کی ایک ہی بات ہے ناں۔ آج تم مجھے کچھ نوٹس دے دو کل میں تمہیں بنا دوں گا۔" اس نے کہا تو وہ کھول کر رہ گئی۔

"مجھے اپنا کام خود کرنے کی عادت ہے۔ ایسی آفرز سے میں بہلتی نہیں۔ بہرحال آپ کسی اور سے لے لیں۔ ہمارا ٹائم ویسٹ مت کریں۔" اس نے کتاب دوبارہ کھولتے ہوئے کہا۔ (گویا اسے جانے کا اشارہ کیا تھا)

"یہ تو اچھی بات ہے کہ تم آسانی سے بہلتی نہیں مگر میری بات دوسری ہے۔ پر اس میں کل تمہیں واپس کر دوں گا؟" اس پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اس کی بے نیازی کا۔

"ایمن، مجھے لگتا ہے یہاں مزید نہیں پڑھا جا سکے گا۔ آؤ ہاسٹل چلتے ہیں۔" اس نے ایمن سے کہا اور

اسے اگنور کرتی ہوئی کتاب سمیٹ کر باہر کی طرف چل دی جبکہ وہ حیرانی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"عجیب لیس شخص ہے یہ تمہارا کزن۔" اس نے باہر نکل کر ریمارکس دیے تھے۔

"میرا کزن تمہارا فیلو بھی ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"مگر زیادہ پائیدار حوالہ تمہارا ہے۔" اس نے شرارت سے کہا تو ایک لمحے کو وہ چپ سی ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں...؟

رحل میں اس سے وجہ پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ لیکن اپنے ذہن کو اس "اسرار" کے بارے میں سوچنے سے باز نہ رکھ سکی تھی وہ۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابھی ٹھہرو
ابھی کچھ دن لگیں گے
وصل کو خواہش بنانے میں
تمہیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو منانے میں
ابھی کچھ دن لگیں گے
ابھی ہم اپنی اپنی خوشبوؤں کو دل سے ملنے دیں
انہیں محسوس کرنے دیں
وفا کیا ہے اور تقاضائے محبت کی حدیں کیا ہیں
حدوں کی سرحدیں کیا ہیں
پھر ان کے پار جانے کا سبب کیا ہے
دھیان و بے دھیانی میں
تمہاری بھیگتی باتوں کی ندیا کی روانی میں
کہانی ہی کہانی میں
اگر بے جادہ و منزل
کوئی خواہش دلوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی
تو کون دیکھے گا
ہمارے نام کی سچائی کو
اور خواہشوں کے بے نسب مہتاب چہروں کو
ابھی ٹھہرو
ابھی کچھ دن لگیں گے
رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں
کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں
کہیں اظہار کرنے میں
ہمیں اقرار کرنے میں
ابھی ٹھہرو
ابھی کچھ دن لگیں گے!

خدا خدا کر کے سمسٹر ختم ہوا تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ لالہ جی اور اماں تقریباً روز فون کر کے اس سے پیپر کی بابت پوچھتے تھے اور اماں تو بس ایک ہی سوال کرتی تھیں۔

"تمہارا آخری پرچہ کتنے دنوں بعد ہے؟" وہ ہنستی اور کہتی۔

"اماں مجھ سے زیادہ تو آپ کو آخری پیپر کا انتظار ہے؟"

"ہاں بیٹا۔ میرا دل کرتا ہے تمہیں دیکھوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں ملے ہوئے۔"

"ابھی ڈیڑھ ماہ قبل ہی تو رہ کر گئی ہوں اماں۔"

"لو دو دن کا رہنا بھی کوئی رہنا ہے بس تم تیاری رکھنا۔ تمہارے آخری پرچے والے دن لالہ جی تمہیں لینے آئیں گے اور تم نے ڈھیر سارے دن میرے پاس رہنے ہیں۔ ٹھیک ہے ناں۔" اماں نے اشتیاق سے پوچھا۔ تو اسے ان کی شدتوں پر بے اختیار پیار سا آ گیا۔

"ٹھیک ہے اماں۔ جتنے دن آپ چاہیں گی میں رہوں گی اس نے وعدہ کیا تھا۔"

ایمن سے جب اس نے اپنے جانے کی بات کی تو وہ بھی ساتھ چلنے پر رضامند ہو گئی۔

"میں ماما سے پوچھوں گی۔ پھر تمہارے ساتھ چلوں گی۔ دراصل مجھے تمہاری اماں کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"وہ کیوں؟"

"بھئی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم سی خوب صورت لڑکی کی اماں کتنی پیاری ہے؟" اس نے کہا تو وہ بلش کر گئی۔

"ایمن تم تو بس ایسے ہی۔" وہ شرما گئی تھی۔

پھر ایمن نے اسی دن اپنی ماما سے شام کو فون پر بات

Digestlibrary.com

کی تو انہوں نے اسے اجازت دے دی۔ یوں بھی وہ ہاسٹل آکر اس سے مل چکی تھیں۔ سو بخوشی اسے اس کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی۔

''اگر ایمن کی ماما کی جگہ اماں ہوتیں تو کیا وہ مجھے یوں اجازت دیتیں شاید کبھی نہیں۔'' ایمن سے اجازت ملنے کی خوشخبری سن کر بے ساختہ اس کے دل میں خیال گزرا تھا۔

''اس وقت بھی وہ اور ایمن سامان باندھے ابو ہریرہ کا انتظار کر رہی تھیں کیونکہ لالہ جی کی آج بہت ضروری میٹنگ تھی اس لیے انہوں نے فون کر کے اسے بتا دیا تھا کہ ابو ہریرہ انہیں لینے آئے گا۔

''یہ ابو ہریرہ کون ہیں؟'' ایمن نے اس کے بتانے پر پوچھا تھا۔

''میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔''

''ہوں نام تو بہت خوب صورت ہے۔ کیا خود بھی ...'' اس نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''تم خود ہی دیکھ لینا۔''

''کیوں تم بتانا پسند نہیں کرو گی۔ یا وہ ایسی شخصیت ہیں جن کی تعریف لفظوں میں ممکن نہیں۔'' وہ شرارت سے مسکائی تھی۔

''جو بھی سمجھ لو۔'' اس نے الماری سے چادر نکالنے کے بہانے رخ موڑا تھا۔ پتا نہیں کیوں ابو ہریرہ کے نام پر دل انجان سے رویے اپنا کر خوش ہوتا تھا۔

اسی لمحے باہر ارشاد بھائی نے آواز لگائی تھی کہ انہیں لینے کے لیے آئے ہیں تو وہ مزید سوال جواب سے بچ گئی تھی۔

''چلو بھئی جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ غصے میں آجائیں۔'' اس نے اپنا سامان سنبھالتے ہوئے اسے کہا تھا۔

''وہ کون بھئی۔'' وہ اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئی تھی۔

''ابو ہریرہ ... اور کون ...؟''

''تو نام لیا کرو ناں ... کیا نام لینا منع ہے؟''

''ایمن ... ڈونٹ بی سلی'' اس کی بات پر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے اس نے اسے ڈانٹا تھا۔ جبکہ وہ ہنستے ہوئے اس کے پیچھے آئی تھی۔ گویا اس کی ڈانٹ کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''اسلام علیکم!'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے اور ایمن نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

''وعلیکم اسلام۔ پیپرز ٹھیک ہوئے آپ لوگوں کے۔'' ابو ہریرہ نے بیک ویو مرر سیٹ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی اے ون؟'' ایمن نے جواب دیا تھا۔

''یہ ایمن ہے۔ میری بہت اچھی دوست اور روم میٹ'' اس نے گویا تعارف کروایا تھا۔

''مجھے پتہ ہے۔ پھپھو نے بتایا تھا۔''

''لیکن آپ کے بارے میں مجھے نہیں علم ...؟'' ایمن صاف مکری تھی۔ جبکہ وہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

''اچھا۔ کیا رحل نے ذکر نہیں کیا؟''

''نہیں یہ تو آپ کا نام ہی نہیں لیتی۔ میں سمجھی شاید کوئی پابندی ہے۔''

''نہیں خیر پابندی تو نہیں۔ بہرحال میں ابو ہریرہ ہوں۔'' انہوں نے گویا تعارف کروایا تھا اپنا۔

''بس ...؟''

''بس سے کیا مطلب۔''

''مطلب ... آپ صرف ابو ہریرہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور تعارف نہیں؟''

''ہے ... لیکن تعارف کا اہم حصہ تو یہی ہے۔ باقی تفصیلات آپ کو بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ پتہ چلتی رہیں گی۔'' انہوں نے اس کے لہجے کی معنی خیزی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

''انداز'' کتنا وقت لگے گا یہ تفصیلات جاننے میں۔'' ایمن نے گویا بال کی کھال اتاری تھی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ رحل کی دوست ہیں۔'' ابو ہریرہ نے کہا تو وہ چونک اٹھی۔

''یقین نہ کرنے کی وجہ؟'' ایمن نے پوچھا تھا۔

"بھئی آپ اتنا بولتی ہیں کہ بندہ عاجز آجائے جبکہ رحل اتنا کم بولتی ہیں کہ بندہ آواز سننے کو ترس جائے۔ اتنے اختلاف کے باوجود اتنی دوستی کیا حیرانی کی بات نہیں۔" ابو ہریرہ نے کہا تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔ دو سیاہ آنکھوں کی تپش اس کے دل تک در آئی تھی۔

"رحل اور کم بولتی ہے؟ آپ اسی رحل کی بات کر رہے ہیں ناں ابو ہریرہ بھائی جو میری دوست ہے۔" اس نے مصنوعی بے یقینی سے کہا تو ابو ہریرہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

"اتفاق سے میں اسی رحل کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ یہ واقعی بہت کم بولتی ہے۔"

"آپ پلیز اپنا فقرہ درست کرلیں۔ کم بولتی ہیں نہیں کم بولتی تھی۔ اب تو یہ محترمہ میری بولتی بند کرا دیتی ہیں۔"

"کیا ایسا معجزہ بھی ہو سکتا ہے؟" ابو ہریرہ نے بے ساختہ کہا تھا جبکہ ان کی اس بے ساختگی پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"کتنی بری بات ہے اپنی فرینڈ کی انسلٹ پر تم یوں ہنس رہی ہو شیم، شیم۔" ایمن نے اس پر اپنی کھسیاہٹ نکالی تھی۔

"سوری مگر ایمن اب ریسٹ لے لو۔ باقی باتیں گھر جاکر کرلینا۔"

"میں اتنا تو نہیں بولی رحل کہ مجھے ریسٹ کی ضرورت پڑے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے جس سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں۔" ابو ہریرہ نے بے ساختہ پھر سے مداخلت کی تھی۔

"ابو ہریرہ بھائی آپ دشمنی مول لے رہے ہیں مجھ سے۔"

"ار، ار۔ ارے نہیں بہنا مجھ میں اتنی تاب اتنی مجال کہاں آپ بولیں اور خوب بولیں۔ ہم سنیں گے اور ضرور سنیں گے۔ بھلا ہم اپنی اتنی پیاری بہن کو ناراض کرسکتے ہیں کیا؟" ابو ہریرہ نے بڑے شفقت بھرے انداز میں کہا تو ایمن کھلکھلا اٹھی۔

"رحل ابو ہریرہ بہت اچھے انسان ہیں، ہیں ناں۔" گاڑی سے اترتے ہوئے ایمن نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ جبکہ وہ خاموش رہی تھی کہ دل ابھی کسی بھی قسم کی تائید و حمایت کرنے سے قاصر تھا۔

ایمن کو اماں بہت اچھی لگی تھیں۔ خاموش اداس آنکھوں والی دھیمے لہجے میں بات کرتیں اس کی اماں نے گویا ایمن کو اسیر کرلیا تھا۔ بقول اس کے۔

"رحل تمہاری اماں سے مل کر تمہارا سحر ختم ہو جاتا ہے۔ ان سے ملنے کے بعد تو تمہیں دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔" ایمن کے شرارت بھرے انداز پر وہ مسکرائی تھی۔

"تو تمہیں کون کہتا ہے کہ مجھے دیکھو۔"

"ہاں تمہیں ضرورت بھی کیا ہے؟ تمہارے لیے تو ایک ہی شخص کافی ہے، ہے ناں۔"

"کون سا شخص۔"

"اچھا اب انجان مت بنو میں ہریرہ بھائی کی بات کر رہی ہوں۔"

"ایمن... تو پوری بھانڈ ہے۔ مجال ہے کوئی بات اپنے تک محدود رکھ لو تم۔" اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا جب سے ایمن کو اس کے اور ابو ہریرہ کے رشتے کا پتہ چلا تھا اس نے چھیڑ چھیڑ کر اس کا ناک میں دم کردیا تھا۔ بقول اس کے۔

"مجھے تو پہلے ہی شک گزرا تھا۔ ہریرہ بھائی رحل کو جس طرح دیکھتے تھے یوں لگتا تھا جیسے دل آنکھوں میں آسمایا ہو۔ ہاہ زرتاشہ ہماری قسمت ہمیں تو کوئی اس طرح سے نہیں دیکھتا اور ایک یہ رحل ہے۔ ناشکری سچ میں اس کی جگہ ہوتی ناں تو روز شکرانے کے سو نفل پڑھتی۔" وہ اپنی شرارت میں زرتاشہ کو بھی شامل کر لیتی تھی۔

"ہاں... نماز پڑھی نہیں جاتی۔ سو نفل تو ضرور پڑھتی۔" وہ اس کا مذاق اڑاتی۔

"سچ کہتی ہو تم اور شاید اللہ میاں کو بھی اس کا پتہ ہے تبھی تو انھوں نے مجھے زحمت سے بچالیا۔" ایمن بے ساختہ کہتی تو وہ اور زرتاشہ کھلکھلا اٹھتیں۔

ایمن کی وجہ سے گھر میں بہت رونق لگی ہوئی تھی۔ بقول ثمین مامی کے۔

"ایک عرصہ بعد ہمارے گھر میں یوں کھلکھلانے کی آوازیں گونجی ہیں؟" ایمن یہ تبصرہ سن کر اپنے کالر مصنوعی طور پر کھڑے کرنا شروع کر دیتی۔

اور شاید یہ ایمن کی موجودگی کا اثر تھا کہ اس نے ایک عرصہ بعد واقعی اماں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی اور اس کے لیے وہ ایمن کی مشکور بھی ہوئی تھی۔

"کیا بات کرتی ہو رحل۔ وہ میرے لیے بھی ماں کی جگہ پر ہیں اور سچ جانو تو میں اتنا گر جو بولتی ہوں تو صرف اماں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کے لیے۔ یقین کرو وہ مسکراتے ہوئے مجھے اتنی پیاری لگتی ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سدا انہیں یوں ہی مسکراتے دیکھوں۔" ایمن نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

"ہاں اماں واقعی مسکراتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہیں۔ مگر وہ بہت کم مسکراتی ہیں۔"

"اور ایسا کیوں ہے؟ مجھے بتاؤ گی تم؟" بے ساختہ ایمن نے سوال کیا تھا۔

"پتہ نہیں ایمن... مجھے خود نہیں علم سوائے اس کے کہ میرے بابا نے اماں کو بہت دکھ دیے اتنے کہ وہ مسکرانا بھول گئیں۔"

"اور تمہارے بابا کہاں ہیں؟"

"اماں بابا کے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں۔ یہ جو اتنا معلوم ہے تو وہ بھی ثمین مامی نے بتایا ورنہ شاید مجھے یہ پتہ نہ ہوتا۔"

"اور تم نے کبھی اماں سے پوچھا بھی نہیں۔"

"پوچھا... مگر خاموشی کے سوا مجھے کچھ نہیں ملا۔ پھر میں نے بھی پوچھنا چھوڑ دیا۔"

"حیرت کی بات ہے؟"

"ہاں ہے تو حیرت کی بات مگر بابا کے ذکر پر اماں کی جو حالت ہو جاتی ہے۔ وہ میرے تجسس پر بند باندھ دیتی ہے۔ ایمن میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اتنی محبت کہ اب میرے دل میں کسی اور کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ بابا کے لیے بھی نہیں۔

میرے پاس اماں ہیں۔ میں ان سے محبت کرتی ہوں ان کو خوش رکھنا چاہتی ہوں میں یہ ہی سوچتی ہوں دل کو سمجھاتی ہوں اور چپ رہتی ہوں۔" رحل نے بڑے گہرے لہجے میں اپنے دل کی کیفیت ایمن پر واضح کی تھی۔

"اچھا کرتی ہو رحل تم ماں اور وہ بھی اماں جیسی ماں۔ ان کے بعد واقعتاً" کسی اور کی گنجائش نہیں رہتی۔ اچھا کرتی ہو تم دھیان رکھا کرو اماں کا بھی اور اپنا بھی۔" ایمن نے اچھے دوستوں کی طرح اس کے دل پر تسلی کا مرہم رکھا تھا۔

"تھینک یو ایمن؟"

"فار واٹ؟"

"فار ایوری تھنگ۔" وہ مسکرائی۔

"دوستی میں شکریہ اور سوری نہیں ہوتا۔" ایمن نے اسے یاد دلایا۔

"اوہ... سوری!" بے ساختہ رحل کے منہ سے نکلا اور پھر دونوں کھلکھلا دیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

بھیگتا جا رہا ہے پل پل میں
عکس جو حسین چشم تر میں ہے
داستانیں ابھی جنم لیں گی
دل ابھی درد کے سفر میں ہے

پورے چار دن گوجرانوالہ گزار کر وہ کل ہی ہاسٹل لوٹی تھیں۔ لیکن اب دوبارہ سے اسے ایڈجسٹمنٹ میں مشکل ہو رہی تھی۔ حالانکہ چار ہی دن اماں کے پاس گزارے تھے۔ مگر رہ رہ کر وہ اسے یاد آ رہی تھیں۔ کچھ ایمن ہر لمحے کوئی نہ کوئی وہاں کی بات نکال لیتی تھی۔ اس لیے بھی اسے ہاسٹل میں ایڈجسٹ ہونے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

ہر دوسرے لمحے ایمن کوئی نہ کوئی حوالہ یاد دلا دیتی تھی۔ کبھی اماں کے ہاتھ کا کھانا کبھی زرتاشہ کی بنائی ہوئی چائے ثمین مامی کے ساتھ کی گئی باتیں رات میں

ابو ہریرہ کے ساتھ جا کر تکے کباب اڑانا ہر ہر لمحے وہ اسے وہاں کے عیش یاد دلاتی۔ یوں کہ تھک ہار کر اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"پلیز ایمن بس کرو اگر یوں ہی تم یاد دلاتی رہو گی تو میں یہاں بالکل نہیں رہ سکوں گی۔"

"تم نے تو وہاں زندگی بھر رہنا ہے تم مت یاد کرو۔ لیکن مجھے تو مت روکو وہاں کے عیش یاد کرنے سے ہاۓ ہا کتنے خوب صورت دن تھے اور کتنی جلدی بیت گئے۔" وہ جان بوجھ کر اسے چڑاتی تھی۔

"سخت ذلیل شئے ہو تم ایمن؟"

"میں بتاؤں گی ہریرہ بھائی کو۔" وہ مان بھرے انداز میں کہتی۔

"تم چپ ہونے کا کیا لو گی؟"

"تمہاری محبت اور وہ بھی اپنے بھائی کے لیے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا ناں ایمن تم ابو ہریرہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گی۔" وہ خفا ہوتی۔

"تو میں کب کر رہی ہوں میں تو ان سے محبت کرنے کی بات کر رہی ہوں جو ان کا حق ہے۔" وہ کہاں ہار ماننے والی تھی بھلا۔

"ایمن تم نہیں سدھر سکتیں۔"

وہ مایوسی بھرے لہجے میں کہتی اور کتابیں اٹھا کر باہر ہاسٹل کے لان میں چلی آئی کہ ایمن کو اس کی مرضی کے بغیر چپ کرانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

اور اگرچہ گوجرانوالہ میں اس نے بہت انجوائے کیا تھا مگر اب اپنی غیر حاضری کو کور کرنا اس کو تھوڑا سا مشکل لگ رہا تھا۔ ان دنوں کے لیکچر اس کے پاس سے شارٹ تھے اور کسی اور سے مانگنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ سو آج کل زیادہ وقت لائبریری میں ہی گزر رہا تھا۔ حالانکہ آشان آفندی نے اسے کہا تھا کہ وہ اس سے لیکچر لے لے مگر ایک تو وہ پہلے خود اپنے لیکچر دینے سے اسے صاف انکار کر چکی تھی دوسرے وہ اس کے ساتھ زیادہ روابط بڑھانا نہیں چاہ رہی تھی اس لیے باوجود اشد ضرورت کے اس نے اسے انکار کر دیا تھا۔

اور عجیب شخص تھا یہ آشان حسن آفندی بھی۔

خواہ مخواہ ہی سر پر مسلط رہنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ ان کے مسلسل غیر حاضر رہنے پر بھی اس نے بڑی دھونس سے پوچھا۔

"یہ آپ اتنا عرصہ کہاں غائب تھیں؟ پتہ نہیں تھا کہ پڑھائی کا حرج ہو گا۔" اس کے اس انداز پر اس کے ساتھ ساتھ ایمن کے چہرے کے تاثرات بھی ناگوار ہوئے تھے۔

"آپ کو اس سے کیا؟ آپ کو ہمارا گارجین تو مقرر نہیں کیا گیا۔"

"کیا تو نہیں گیا۔ مگر شاید کر دیا جائے۔"

"ایسے معجزے اب اس دنیا میں ہوا کریں گے؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔

"معجزے دنیا میں ہی ہوتے ہیں۔" اس کے انداز میں ہنوز کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"بہر حال ہم کہیں بھی رہیں آپ کے سامنے آنسر ایبل نہیں۔ جہاں تک پڑھائی کے حرج کا تعلق ہے تو جب آپ نے کور کر لیا تھا تو ہم نے تو پھر بھی کم چھٹیاں کی ہیں۔ اس لیے آپ کو فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ ہماری درد سری ہے آپ کی نہیں۔" اس کی جگہ ایمن نے جواب دیا تھا۔

"میں تم سے پوچھ بھی نہیں رہا میں تو رحل سے پوچھ رہا ہوں۔" اب کے قطعاً عجیب سا جواب آیا تھا جس نے اسے ایک دو لمحوں کے لیے تو ششدر کر دیا تھا۔

"مجھ سے...؟" وہ حیران ہوئی۔

"مجھ سے کس ناطے سے آپ جواب طلبی کر رہے ہیں۔ میں آپ کی کلاس فیلو ہوں جبکہ ایمن کزن ہے اور ایمن کا ریلیشن زیادہ کنسیڈر ایبل ہے۔ آپ سے جو میں بات کر لیتی ہوں تو صرف اسی ریلیشن کی وجہ سے ورنہ شاید باقی فیلوز کی طرح آپ سے بھی اجنبیت ہی رہتی۔"

رحل نے اچھی خاصی اس کی کھنچائی کی تھی مگر وہ ایک چکنا گھڑا تھا جس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

"مطلب آپ مانتی ہیں کہ میری آپ سے واقفیت

Digestlibrary.com

ہے۔" اس نے اس کی بات پکڑی تھی جبکہ وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی۔

"مائی گڈنیس ایمن تمہارا یہ کزن کس مٹی سے بنا ہوا ہے؟"

"ان سے کیا پوچھتی ہیں..... مجھ سے پوچھیں۔ نہایت اعلیٰ قسم کی مٹی سے بنا ہوں میں۔"

"میں نہیں آپ سے جیت سکتی۔"

"یعنی آپ ہار مان رہی ہیں۔" عجیب سی خوشی اس کے لہجے میں تھی۔

"سو فیصدی میں واقعتاً ڈھٹائی میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" بے ساختہ اس نے کہا تھا جبکہ جواب میں آشان آفندی کا قہقہہ بھی بے ساختہ ہی تھا۔

"ڈیٹس گریٹ۔ ایمن۔ رحل کی یہی چیز اسے اٹریکٹو بناتی ہے۔ جہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب اسے ڈومینٹ کر لیا گیا ہے وہیں پھر سے یہ کسی پوائنٹ پر سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔" آشان آفندی نے ایمن کو مخاطب کیا جو چپ چاپ انہیں سن رہی تھی۔

"لیکن ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ رحل آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔" ایمن نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔

"کیا واقعی رحل؟"

"ہوں ایمن ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمارے ہاں میل پرسن سے بے تکلف ہونے کی اجازت نہیں۔ آپ سے جو بات کر لیتی ہوں تو ایمن کے حوالے سے وگرنہ شاید یہ بھی نہ ہوتی۔" اس نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا تھا۔

"ہاں ہوتی ہیں کچھ فیملیز ایسی۔ بہرحال یہ کوئی ایسا اسٹرونگ پوائنٹ نہیں جس پر بندہ ہمت ہار بیٹھے۔" آشان نے ایمن کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ جبکہ وہ خاموش رہی تھی۔

"تمہارا کزن کچھ عجیب سا ہے۔ بعض اوقات مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی۔" آشان کے وہاں سے چلے جانے کے بعد اس نے ایمن سے کہا تھا۔

"تو تم سے کس نے کہا ہے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے لیے ابو ہریرہ ہی کافی ہے۔" ایمن نے اسے چھیڑا تھا۔

"ایمن!" رحل نے اس کا بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا اور اسے بڑے سوچتے لہجے میں پکارا تھا۔

"ہوں...!"

"کبھی کبھی مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے یوں جیسے تم آشان آفندی سے لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتی ہو۔ حالانکہ وہ تمہارا کزن ہے اور کزنز کے درمیان اتنی لاتعلقی نہیں ہوتی اور اس کے ساتھ ہی مجھے کہیں پڑھی ہوئی ایک بات یاد آتی ہے کہ" رحل کہتے کہتے چپ ہوئی تھی جبکہ ایمن نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"کیا...؟"

"یہی کہ کوئی تعلق نہ ہونا بھی ایک تعلق ہے۔" رحل نے معنی خیز انداز میں کہا تھا جبکہ ایمن نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔

"ایم آئی رائٹ ایمن؟" اس کی طویل خاموشی پر رحل نے سوال کیا تھا۔

"ہوں..." ایمن نے گہرا سانس لے کر کہا تھا "تم ٹھیک سمجھی ہو رحل"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ واقعی تعلق کا نہ ہونا ہی دراصل ایک بہت بڑا تعلق ہوتا ہے۔"

"اور یہ تعلق کس قسم کا ہے۔ مطلب کوئی پائیدار قسم کا یا..." اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"پائیدار بھی ہے اور ناپائیدار بھی دراصل ہمارے پیرنٹس نے منگنی تو کر دی تھی مگر ہماری رضا مندی نہیں لی۔"

"کیا مطلب...؟ تم راضی نہیں ہو یا وہ۔"

"وہ... راضی نہیں۔"

"اور تم...!"

"ہمارے ہاں لڑکیوں کی رضا مندی کون دیکھتا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے کہ رضا مندی سے بڑھ کر کوئی چیز ہے

جو تمہارے دل میں آشان کے لیے موجود ہے... ہے ناں۔"

"رحل کبھی کبھی تم مجھے اپنے دل میں محسوس ہوتی ہو کتنی جلدی تم نے ہر بات جان لی۔" ایمن نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

"میں تمہاری دوست ہوں میں نہیں جانوں گی تو اور کون جانے گا؟

بہرحال تم فکر مند نہیں ہو۔ مرد کتنا ہی باہر پھر لے بالآخر گھوم پھر کر کرنا اس نے وہی ہوتا ہے جو اس کے والدین چاہتے ہیں۔" رحل نے بڑے گہرے لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

"مگر آشان کے پیرنٹس اس کی بہت مانتے ہیں۔" خدشے ایمن کے لہجے میں بول رہے تھے۔

"اوہ کم آن ایمن ایک بات یاد رکھو۔ اگر آشان تمہاری قسمت میں ہے تو کوئی اسے تم سے چھین نہیں سکتا اور اگر وہ تمہارا مقدر نہیں تو تم کسی بھی قیمت پر اسے نہیں حاصل کر سکو گی بعض فیصلے ہماری تقدیر کرتی ہے اور انہیں اسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ انشاء اللہ بہتر ہو گا جو بھی ہو گا بی ریلیکس۔" رحل نے اسے تسلی دی تھی۔ جبکہ ایمن نے آنکھیں موندتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آس نراس کے سناٹوں میں
کس کی راہ تکوں
خوشبو خوشبو چہرے
شبنم شبنم لہجے
کن آئینوں میں ڈھونڈوں
اپنا ہاتھ نہ تھاما جس نے
وہ کیوں میرے سنگ چلے
کہنے والے سچ ہی کہوے
میں دیپک اور دیپک ساری رین جلے

۱۲جون۔

آج رحل کو میں نے فون کیا تو اس نے ایمن کے گھر جانے کی اجازت مانگی۔

یونیورسٹی موسم گرما کی وجہ سے بند ہو گئی تھی اور آج میں نے اسے اس لیے فون کیا تھا کہ وہ اپنا سامان سمیٹ رکھے۔ عرفات لالہ یا ابوہریرہ اسے ایک دو دن تک لینے آئیں گے۔ مگر اس سے پہلے ہی اس نے مجھ سے ایمن کے گھر جانے اور اس کی فیملی سے ملنے کی ضد کر دی۔

اور اگرچہ ایمن بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اس سے ملی بھی ہوں یقیناً" اس کی فیملی بھی بہت اچھی ہو گی۔ مگر میرا دل یہ ڈرا سہما سا میرا دل!

میں اسے کیا بتاؤں؟ کہ سو قسم کے وسوسے میرے دل کو لاحق رہتے ہیں۔ کتنے ہی خدشے رات بھر میری آنکھوں میں آہٹیں دیتے رہتے ہیں۔ کیسے بتاؤں اسے کہ یہ دنیا کتنی بری جگہ ہے اور وہ کتنی شفاف اور اجلی اس داغدار دنیا میں خود کو اجلا رکھنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے؟ کیسے سمجھاؤں میں اسے؟

"کیا کروں خدایا؟ بھرم کی چادر بنتے بنتے میں خود اندر تک سے ادھڑ چکی ہوں۔

ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا

ایک لمحہ محبت کی طلب میں ساری عمر گروی رکھوا دی میں نے۔

کیا ہے یہ محبت اور کیسی ہے یہ دنیا؟

نہ ہی محبت ملی اور نہ ہی دنیا راضی ہوئی۔

پل پل مرنے کی اذیتیں لمحہ لمحہ خوف کی آہٹیں۔ کیا ہے یہ زندگی اور اگر رحل نہ ہوتی تو شاید میں اس زندگی کا کوئی احسان نہ لیتی۔

مگر رحل...! میری بیٹی ایک عمر اسے اس دنیا سے چھپانے میں گزاری ہے میں نے۔ یہ دنیا جس نے میرے پورے وجود کو داغدار کر دیا ہے۔ کیسے بتاؤں میں رحل کو...؟ کیسے سمجھاؤں اسے؟

اور عجیب ہے میرا یہ دل اپنا بھرم بھی نہیں کھونا چاہتا اور رحل کو بھی اس دنیا سے بچانا چاہتا ہے اور دونوں ایک ساتھ بچ جائیں کیسے ممکن ہو سکتا ہے یہ بھلا

رحل میری بیٹی تو بہت انجان ہے بہت سادہ اسے پتہ ہی نہیں کہ اس نے اپنی ماں کو کس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا محض ایک سوال کر کے۔ کتنے معصوم اور مان بھرے لہجے میں اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"اماں میں کبھی اپنی کسی دوست کے گھر نہیں گئی مگر ایمن کی بات دوسری ہے میں خود بھی اس کے گھر جانا چاہتی ہوں اس کی ماما سے ملنا چاہتی ہوں اماں آپ مجھے روکیں گی تو نہیں؟" میں نے اسے انکار کرنا چاہا تھا۔

"پلیز اماں انکار نہیں میں نے کبھی آپ سے ضد نہیں کی جو آپ نے کہا مان لیا کہ آپ ہمیشہ ٹھیک کہتی ہیں اور اب بھی آپ ٹھیک ہیں مگر میں ضد کرنا چاہتی ہوں۔ آپ مان لیں۔ میری ضد اماں۔" مان بھرے لہجے میں میری بیٹی نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا لیکن شام سے پہلے واپس آجانا۔"

"تھینک یو اماں میں جلدی آجاؤں گی۔"

"اور جاؤ گی کس دن؟"

"کل!"

"ٹھیک ہے کل شام پانچ بجے ابو ہریرہ تمہیں لینے آئے گا تم اس سے پہلے ہاسٹل پہنچ جانا ٹھیک ہے۔" میں نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے ماں میں پہنچ جاؤں گی؟"

"دھیان رکھنا اپنا" میں نے کہا تھا پتہ نہیں اپنی بیٹی سے یا پھر خدا سے دعا کی تھی۔

ضروری تو نہیں کہ بیٹیوں کے نصیب بھی اماں جیسے ہی ہوں میری قسمت میرے ساتھ اور میری بیٹی کے نصیب اس کے ساتھ یقیناً "میری بیٹی کی قسمت بہت اچھی ہے۔

میں نے اپنے دل کو سمجھایا تھا یا شاید اپنے کسی وسوسے کو تھپکا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"تھینکس گاڈ اماں نے تمہیں اجازت دے دی۔ تم نے تو مجھے ایسے ہی ڈرایا ہوا تھا۔ تمہاری اماں واقعی بہت سویٹ سی ہیں۔ اتنی جلدی انہوں نے اجازت دے دی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

ایمن نے اماں کے اجازت دینے پر بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"سوچ تو میں بھی نہیں سکتی تھی اور واقعی ایمن تم یقین کرو اماں مجھے کبھی بھی کسی فرینڈ کے گھر جانے نہیں دیتی تھیں۔ تمہارے سلسلے میں پتہ نہیں انہوں نے کیسے اجازت دے دی۔ میں تو خود حیران ہوں۔"

رحل نے اپنی حیرانی ظاہر کی تھی۔ جواباً "ایمن نے اپنے کالر کھڑے کر لیے۔

"اب جلدی سے تم تیار ہو جاؤ۔ وہاں ناما لوگ ہمارا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں گی۔ اور ویسے بھی ابو ہریرہ بھائی کے پہنچنے سے قبل تمہیں ہاسٹل بھی چھوڑ کر جانا ہے۔ بہت کم وقت ہے۔ بس جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

اسے ایمن کے گھر والوں سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ جس طرح ایمن ان کی ذکر کرتی اس کا دل چاہتا کہ وہ ان بہت ہلا گلا کرنے والوں لوگوں سے ملے۔ خود وہ گھر میں زرتاشہ کے ساتھ کتنی باتیں کر سکتی ؟ ان کے ہاں تو اکثر خاموشی چھائی رہتی تھی۔ اس لیے اب اسے اشتیاق ہو رہا تھا کہ وہ دیکھے جس گھر میں بہت سے لوگ رہتے ہوتے ہیں وہاں کیا عالم ہوتا ہے۔ بقول ایمن کے۔

"ہمارا گھر تو ہر وقت چڑیا گھر کا سا سماں پیش کرتا رہتا ہے مجال ہے جو کوئی کسی کی بات سننے کی زحمت کر لے۔ ہر ایک بس اپنی ہی بولی بولے گا یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ کوئی سننے والا ہے یا نہیں۔"

جب وہ ایمن کے ساتھ اس کے گھر پہنچی تو اسے احساس ہوا کہ ایمن واقعی ٹھیک کہتی تھی۔ ہر کوئی اپنی ہی بولی بول رہا تھا۔ اس کی سنے بغیر اس کے وہاں جاتے ہی سب لوگ اس سے ملنے کے لیے ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے تھے اور بغیر اپنا تعارف کروائے اس سے سوالات کرنا شروع کر دیے تھے۔

"ارے آپ ہیں رحل؟ کیسی ہیں آپ؟" ایک پیاری سی لڑکی نے اسے متوجہ کیا تھا۔

"نظر نہیں آرہا صحیح ہیں بہت پیاری ہیں۔ حالانکہ ایمن کے ساتھ رہتی ہیں مگر پھر بھی ٹھیک ٹھاک نظر آرہی ہیں۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی کسی طرف سے جواب آیا تھا۔

"ہمیں آپ سے اور آپ کے گھر والوں سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا؟" ایک اور طرف سے آواز آئی تھی۔

"واقعی آپ بہت پیاری ہیں۔" کمنٹس دیا گیا۔

"بلکہ امن نے آپ کی تعریف میں کچھ کنجوسی سے کام لیا ہے۔"

"جیلس ہوگئی ہوگی۔" تبصرہ ساتھ ہی حاضر تھا۔

"آپ گوجرانوالہ کب جارہی ہیں؟"

"اسے بھی ساتھ لے جائیں۔" بچی نے عرصہ ہوا گوجرانوالہ ہی نہیں دیکھا اسی بہانے دیکھ لے گی۔"

"مائی گڈنیس! تم لوگوں کو مینرز نہیں آسکتے بھئی اسے بھی کچھ بولنے دو۔ بغیر تعارف کے ہی شروع ہو گئے ہو تم لوگ۔ کیا سوچتی ہو گی رحل اتنے ال مینرڈ لوگ ہو تم سب۔" امن نے انہیں چپ کروایا تھا۔

"میں ماما کو بلاتی ہوں۔ کہاں ہیں ماما؟" امن نے کہا اور باہر نکل گئی جبکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی جو کچھ لمحوں کو خاموش سے ہو گئے تھے۔

"میرے بارے میں تو آپ جانتے ہیں مگر اپنا تعارف نہیں کروایا آپ لوگوں نے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اوہ سوری میں امن ہوں ایمن کی سسٹر۔" اسی پیاری سی لڑکی نے پہلے تعارف کروایا تھا۔

"اور یہ مزن ہے مجھ سے چھوٹی اس کے بعد یہ ثمن ہے یہ بھابھی ہیں میری رائمہ یہ ان کے بیٹے ربیط اور رزم جبکہ بیٹی ان دونوں سے چھوٹی ہے۔ چھوٹی بھابھی سبائنہ کی دو بیٹیاں ہی ہیں۔ مکیہ اور اروی۔" اس نے باری باری سب کا تعارف کروایا تھا۔

"اور یہ میری پیاری سی ماما ہیں۔ ماما یہ رحل ہے میری فرینڈ۔" اسی لمحے ایمن اپنی ماما کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" رحل نے اس کی ماما کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہیں بیٹا آپ؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ بڑی ڈیسینٹ اور فریش سی خاتون تھیں وہ۔

"میں ٹھیک ہوں آپ سنائیے؟"

"اللہ کا شکر ہے تم ان لوگوں سے ملیں۔" انہوں نے باقی لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو خاموش بیٹھے تھے۔

"جی ابھی تعارف کروایا ہے امن نے۔"

"ہاں امن نے بہت بولتی ہے میری یہ بیٹی۔" وہ مسکرائی تھیں۔

"اف امن ہی نہیں ماما یہاں سب لوگ ہی بہت بولتے ہیں۔ توبہ ابھی آپ کچھ دیر قبل دیکھتیں سب لوگ اکٹھے اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ رحل کو کوئی بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔" امن نے شکایت کی تھی۔

"نہیں آنٹی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ سب لوگ بہت اچھے ہیں اور بڑے اچھے طریقے سے مجھ سے ملے ہیں۔" رحل نے تصحیح کی تھی۔

"یہ سب لوگ مجھے بہت اچھے لگے ہیں اور امن میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بولتے تو ہیں مگر اتنا زیادہ بھی نہیں بولتے تم کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیتی رہی ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے امن کے طرف دیکھا تھا اسے پتہ تھا اب وہ چڑ رہی ہو گی۔

"ابھی تم پر ان کے جوہر نہیں کھلے انہیں موقع تو دو پھر دیکھنا۔ ابھی یوں بھی ان کی جوڑی دار نہیں ہیں۔ کیوں بھابھی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔" اس نے رائمہ بھابھی سے تصدیق کروانی چاہی تھی۔ جنہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر تصدیق کی تھی۔

"جوڑی دار کون۔" اس نے تجسس سے پوچھا تھا۔

"میری کزنز...... آشان حسن کی بہنیں وہ آج کل

Digest Novels Group

اپنی ننھیال گئی ہوئی ہیں۔ اگر وہ ہوتی تو دیکھتیں کیا رنگ ہوتا ان لوگوں کا۔" امن نے بتایا۔
"اوہ یاد آیا آپ تو آشان بھائی کی بھی کلاس فیلو ہیں میں انہیں بتا کر آتی ہوں۔" امن کو جیسے کچھ یاد آیا اور فوراً" چھلانگ لگا کر صوفے سے اتری اور باہر نکل گئی۔
"اچھا رحل آپ یہ بتائیں کہ دوپہر کے کھانے میں آپ کیا لینا چاہیں گی؟" سبائنہ بھابھی نے پوچھا تھا۔
"بھابھی کچھ بھی بنالیں آپ، میں سب چیزیں کھالیتی ہوں۔ یوں بھی میں آپ لوگوں سے ملنے آئی ہوں۔ جب کھانے پر انوائیٹ کریں گی تب ڈش بھی بتادوں گی۔" اس نے شرارت سے کہا تو سب ہنس دیے۔
"تاؤ یہ دیکھیں یہ ہیں آشان بھائی کی کلاس فیلو رحل جن کا وہ بہت ذکر کرتے ہیں۔" اسی لمحے امن ایک گریس فل سے شخص کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔
"اسلام علیکم۔" جانے آنے والی شخصیت میں ایسی کیا بات تھی کہ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی تھی۔
"وعلیکم اسلام جیتی رہو۔ تو تم ہو رحل حسن آفندی۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔
"جی۔"
"میں آشان کا والد ہوں۔ امن کا تاؤ مطلب تایا جان۔" انہوں نے تعارف کروایا تھا۔
"جی۔ بتایا تھا ایمن نے آپ کے بارے میں۔"
"اور تم ٹھیک ہو یہیں ہاسٹل میں رہتی ہو کیا؟"
"جی۔"
"والدین کہاں ہوتے ہیں تمہارے۔"
"گوجرانوالہ میں۔"
"ہوں۔۔۔ والد کیا کرتے ہیں تمہارے۔"
"جی میرے پیرنٹس میں سیپریشن ہو چکی ہے۔ ہم لوگ اپنے ماموں کے پاس رہتے ہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔
"اوہ سوری بیٹا۔"
"ڈزن میٹر انکل۔" بڑے حوصلے سے اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اپنی ذات کا یہ پہلو جانے کیوں اسے بہت شرمندہ سا کرتا تھا۔
"آشان تمہارا بہت ذکر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے تم سے ملنے کا بہت اشتیاق سا تھا۔" انہوں نے موضوع تبدیل کیا تھا۔
"بلکہ آشان بھائی کو جب معلوم ہوگا کہ آپ آئی تھیں تو انہیں اپنے گھر نہ ہونے پر بہت افسوس ہو گا۔" امن نے بتایا تھا۔
"ہاں میرے بیٹے کو بہت کم لوگ اچھے لگتے ہیں اور جو اچھے لگتے ہیں وہ بہت شدت سے اچھے لگتے ہیں۔" انہوں نے بتایا تھا۔
"اور آپ کو۔" بے ساختہ اس نے پوچھا تھا۔
"مجھے بھی تم بہت اچھی لگی ہو۔ بلکہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں تم سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں۔"
"اچھا ہوتا ہے ایسا بھی، کبھی کسی سے مل کر یوں لگتا ہے جیسے اس سے پہلے بھی مل چکے ہوں۔ حالانکہ ایسا ہوا نہیں ہوتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس سے ملتی جلتی شخصیت سے ملے ہوں۔" امن نے کہا تھا۔
"ہوں شاید۔" انہوں نے مبہم انداز میں اسے بڑی توجہ سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"اف اتنی ثقیل باتیں مجھ سے ہضم نہیں ہو رہیں۔" امن نے مداخلت کی تو وہ ہنس دیے۔

♥ ♡ ♡ ♥

تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے
کسی کے ہجر میں یہ زندگی گزاری ہے
ہر اک خوشبو کی آہٹ پر
گماں اس کا گزرتا تھا
ہر اک ساعت میں دل آنکھوں میں آکر
بیٹھ جاتا تھا
کئی پہلو بدلتی خواہشیں ہاتھوں کو پھیلائے
دعائیں مانگتی اور ہانپتی
دل سے گزرتی تھیں

مگر جو ہجر لاحق ہے
وہ جسم و جاں کی دیواریں گراتا ہے
امید و بیم کی آنکھوں سے جدائی کے
سارے منظروں کو
خاک کرتا اور مٹاتا ہے
سو ہم بھی خاک ہیں
اور خاک کی تقدیر میں لکھا ہے
بے اماں رہنا

۲ دسمبر۔

پھر لوٹ کر دسمبر آگیا ہے۔ وہی دسمبر جس کی راتیں بہت طویل ہوتی ہیں۔ اتنی طویل کہ دل انہیں طے کرتے کرتے تھک جاتا ہے۔

اور کسی کو کیا پتہ کہ مجھے ان راتوں سے کتنا خوف آتا ہے۔ اور اگر رحل نہ ہوتی تو شاید میں ان راتوں کے تصور سے ہی مرجاتی۔ ان کا خوف ہر لمحہ میرے دل کو دہلائے رکھتا ہے۔

ایسی ہی رات تھی ناں جب!

میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔ کچھ بھی نہیں میں صرف رحل کے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔ رحل میری بیٹی جو مجھے ہر لمحہ نئی امید دیتی رہی۔

جینے کی امید نئے خواب بننے کی امید۔

اور میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ جتنی تاریکی اس نے میرے مقدر میں رقم کی تھی اتنی ہی روشن اس کی تقدیر بنا دے اور اسے اتنا خوش رکھے اتنا خوش کہ میں اسے خوش دیکھ کر خوش ہو جاؤں۔

اور میں سوچتی ہوں ناموں کا کتنا اثر ہوتا ہے زندگی پر میری ماں نے میرا نام عشاء رکھا اور ساری زندگی میرا واسطہ رات کی تاریکی سے ہی رہا۔ ساری زندگی یہ تاریکی میرے اوپر سایہ کیے رہی۔

اسی لیے تو میں نے اپنی بیٹی کا نام رحل رکھا ہے۔ جسے دیکھ کر ہی تقدس کا احساس ہوتا ہے۔ یہ خیال آتا ہے کہ اسے مقدس چیزوں کے لیے استعمال کیا جائے۔ میری طرح نہیں کہ رات کی تاریکی کو تو صرف انسان گناہوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ہیں ناں۔

✈ ✈

عشق کو یہ کمال حاصل ہے
وقت بے وقت اچھا لگتا ہے

میں کچھ نہیں جانتی تمہیں آج مجھے اچھا سا کھانا کھلانا چاہیے۔ کتنی بری بات ہے کہ تمہاری برتھ ڈے ہے اور تم یوں مجھے ٹرخا رہی ہو۔'' ایمن نے ضدی لہجے میں اسے ڈانٹا تھا۔

''ٹرخا کب رہی ہوں۔''

''لو تو اور کیا کر رہی ہو اگر اماں کا فون نہ آتا تو مجھے کبھی یہ پتہ نہ چلتا کہ تمہاری آج برتھ ڈے ہے۔ میں تو آج صبح جب اٹھی تھی، تبھی مجھے یوں لگا تھا جیسے آج کوئی اسپیشل ڈے ہے۔ اب جب پتہ چلا ہے تو کتنی بری بات ہے کہ میں اس اچھے دن بھی ہاسٹل کے سڑے بسے کھانے کھاؤں۔''

''جناب یہی سڑے بسے کھانے آپ روز کھاتی رہی ہیں۔ آج ان کو کھانے میں کیا قباحت ہے؟'' رحل نے مزے سے کہا۔

''آج تو قطعاً'' نہیں کھاؤں گی۔ بس میں تیار ہو رہی ہوں۔ تم جلدی سے اپنا اکاؤنٹ چیک کرلو۔ اگر کم ہیں تو مجھ سے لے لو۔ بس یہ طے ہے کہ تم آج مجھے ڈنر کرواؤ گی اور وہ بھی آواری میں۔''

''اور وارڈن کی ڈانٹ کون سنے گا جناب؟''

''تم!''

''میں کیوں بھئی۔ ان سے اجازت لے لو میں تمہیں ڈنر کروا دوں گی۔'' رحل نے کہا تھا۔

ایمن جلدی سے کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف چل دی۔ جبکہ اس نے وارڈن کے آفس کی طرف رخ کیا تاکہ ان سے اجازت لے سکے۔ مگر راستے میں ہی ارشاد بھائی نے اسے روک لیا۔

''آپ سے ملنے کے لیے گیسٹ آئے ہیں۔''

''کون؟'' بے ساختہ اس نے پوچھا تھا پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر وزیٹنگ روم کی طرف چلی آئی۔

''اسلام علیکم؟'' ابوہریرہ کی دروازے کی طرف پشت تھی مگراس کے باوجود وہ پہچان گئی تھی۔
''وعلیکم اسلام' ٹھیک ہو۔''
''جی۔''
''ہیپی برتھ ڈے؟'' انہوں نے کہا تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔ جانے ایسا کیا تھا ان کی نگاہوں میں۔
''تھینکس۔''
''یہ تمہارا گفٹ... اور یہ پھپھو اور زرتاشہ نے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔'' انہوں نے کچھ پیکٹس اس کی طرف بڑھائے تھے۔
''میرا شکریہ کہیے گا زرتاشہ کو۔''
''صرف زرتاشہ کو۔'' وہ مسکرائے۔
''آپ کا تو میں کر چکی ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دیے۔
''میرا شکریہ تمہیں کرنے کی ضرورت نہیں۔''
''کیوں؟''
''بھئی ہمارے ریلیشن میں شکریہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔''
پہلی دفعہ انہوں نے اپنے اور اس کے ریلیشن کی بات کی تھی۔ اسے شاید توقع نہیں تھی تبھی رخ پھیر گئی تھی۔
''رحل۔'' دھیمے سروں میں انہوں نے اسے پکارا تھا۔
''یا اللہ یہ ابوہریرہ کبھی کبھی مجھے اپنے دل کے پاس کیوں محسوس ہوتے ہیں۔'' بے ساختہ اس نے سوچا تھا۔
''رحل۔'' انہوں نے پھر پکارا تھا۔
''جی۔''
''تم نے رات کا کھانا کھالیا ہے؟''
''نہیں۔''
''میں نے بھی نہیں کھایا۔'' انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب۔'' وہ رکے تھے۔

''ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی۔''
''نہیں آپ کہیں۔'' اس نے الجھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
''وہ اگرچہ میں نے پھپھو سے پرامس کیا تھا کہ تمہیں کبھی تنگ نہیں کروں گا لیکن آج صرف آج کے دن کے حوالے سے میری بات مان لو دیکھو ہر چیز اپنی جگہ آخر میں تمہارا کزن بھی تو ہوں ناں۔''
''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں میں سمجھی نہیں۔'' وہ ان کی بے ربط گفتگو سے سخت الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔
''مطلب یہ کہ... کیا آج تم ڈنر میرے ساتھ کر سکتی ہو؟''
''لیکن...'' اس نے کہنا چاہا۔
''پلیز رحل... انکار نہیں۔ دیکھو میں اس ریلیشن کی بنیاد پر تم سے یہ ڈیمانڈ نہیں کر رہا جو میرے اور تمہارے مابین موجود ہے۔ میں تو صرف اپنے دل کے حوالے سے یہ خواہش کر رہا ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ آج رات تم کچھ لمحے میرے ساتھ گزارو۔''
''لیکن اماں......۔''
''ان سے میں نے پوچھا تھا انہوں نے تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ اگر تم چاہو گی تو میں لے جا سکتا ہوں ورنہ نہیں۔''
''ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' اس نے گویا ہتھیار پھینکے تھے۔
''اوہ تھینک یو رحل۔ تھینکس سچ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے تمہارے یوں مان جانے سے۔'' ابوہریرہ نے بے ساختہ اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔
''کیا اس شخص کے لیے میں واقعی اتنی اہم ہوں کہ میرے چند لمحوں کے ساتھ سے یہ اتنا خوش ہو رہا ہے؟'' بے ساختہ اس نے سوچا تھا اور اقرار پر اپنے دل میں اس نے بے تحاشا خوشی اترتے محسوس کی تھی۔
''کیا سوچ رہی ہو؟''
''کچھ نہیں دراصل ایمن بھی ڈنر کرنا چاہ رہی تھی

میرے ساتھ۔" اس نے بتایا۔

"نو پرابلم تم اسے بھی ساتھ لے چلو میں وارڈن سے اجازت لیتا ہوں ٹھیک۔" ابوہریرہ نے کہا تو وہ پیکنس سمیٹتی اپنے کمرے کی طرف چل دی جہاں ایمن اسے یقیناً "گالیوں سے نواز رہی تھی۔

✈ ✈

ابھی وقت ہے میرے ساتھ چل
ابھی پاؤں میں ہیں مسافتیں
ابھی راستوں پہ گرفت ہے
ابھی مہرباں ہے راہ گزر
ابھی ہاتھ رکھا ہے وقت کی باگ پر
ابھی راستے بھی نہیں اٹے ہیں غبار میں
ابھی منزلوں کا یقین ہے تو جنون بھی ہے عروج پر
ابھی دیکھ اپنی امید کے کسی بادبان کو کھول کر
ابھی وقت ہے میرے ساتھ چل

ان دنوں آشان آفندی کی بہن کی شادی کی وجہ سے ایمن کافی مصروف تھی۔ جبکہ وہ حسب معمول اپنی اسٹڈی میں جتی ہوئی تھی۔ پریویس میں شاندار رزلٹ کے بعد تمام اساتذہ اور خود اس کی اپنی خواہش تھی کہ وہ کوئی پوزیشن لے سکے۔ اماں اور عرفات لالہ اس کے پریویس کے رزلٹ پر بہت خوش ہوئے تھے۔ بقول اماں کے۔

"تمہارا رزلٹ سن کر مجھے یوں لگا جیسے مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا ہو۔ اس خوشی کی وجہ سے تمہاری دوری کو سہنا میرے لیے سہل ہو گیا ہے۔"

"اماں آپ بس دعا کریں کہ فائنل میں میری عزت رہ جائے کیونکہ اصل تو وہ ہی رزلٹ ہو گا۔" اس نے اماں سے کہا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ یقیناً "اللہ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا بس تم محنت پوری لگن سے کرتی جاؤ۔"

اماں نے اسے نصیحت کی تھی اور ان کی نصیحت کو اس نے اپنے پلے باندھ لیا تھا۔ تبھی تو باوجود ایمن کے اصرار کے وہ اس کے ساتھ کہیں نہیں جاتی تھی۔ حالانکہ وہ اسے سخت برا بھلا کہتی تھی اس بات پر کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ میں قطعاً "ہیلپ نہیں کروا رہی تھی۔ مگر اپنی پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اس کا برا بھلا بھی برداشت کر لیتی۔ بقول اس کے۔

"ایمن اگر تمہاری یا تمہاری کسی بہن کی شادی ہوتی تو میں ضرور تمہاری مدد کرتی۔ مگر کزنز کی حد تک تم مجھے انوالو نہیں کرو۔"

"کیوں تاؤ جان تمہارے کچھ نہیں لگتے میرے حوالے سے۔" ایمن ناراض ہو کر پوچھتی۔

"لگتے تو ہیں مگر تم پہلے ہو تمہیں نظرانداز نہیں کر سکتی جبکہ انہیں کر سکتی ہوں یوں بھی تم خود سوچو سب سے اہم میرے لیے اماں کی خواہش ہے جسے میں پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ یوں بھی اگر ایک دن کا مسئلہ ہو تو میں چلی جاؤں۔ تمہیں تو روز جانا پڑتا ہے۔ اس لیے میں avoid کرتی ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے مت جاؤ مگر شادی میں تم ضرور شرکت کرو گی۔" ایمن نے کہا۔

"جب ہو گی تب دیکھ لیا جائے گا۔" اس نے ٹالا تھا۔

اور شاید ایمن بھی سمجھ گئی تھی کہ اس کا ارادہ نہیں شرکت کرنے کا تبھی تو اس دن شاپنگ سے واپسی پر تاؤ جان اور اپنی ممی کو ساتھ لے آئی تھی۔

"دیکھ لیں ممی اس کا قطعاً "ارادہ نہیں شادی میں شرکت کا۔ اب آپ خود ہی کہہ دیں شاید آپ کی بات مان لے۔" اس نے وزیٹنگ روم میں موجود اپنی ممی کو مخاطب کیا تھا۔

"کیوں بیٹا کیا ہم تمہیں اچھے نہیں لگے جو تم ہم سے ملنا نہیں چاہتیں۔" اس کی ممی نے پیار سے پوچھا تھا۔

"نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں دراصل۔۔۔" اس نے کہنا چاہا مگر ایمن نے بات کاٹ دی۔

"دراصل ممی انہوں نے فائنل میں ٹاپ کرنا ہے اس لیے ابھی سے محنت کر رہی ہیں اور اسی لیے ان

کے پاس ہم جیسے عام لوگوں کے لیے ٹائم نہیں ہے۔"
"کیا واقعی بیٹا؟" تاؤ جان نے پوچھا تھا۔
"نہیں انکل ایسی بات نہیں ہے۔" وہ شرمندہ ہوئی۔
"اس کا مطلب ہے کہ آپ امل کی شادی میں شریک ہوں گی۔" انہوں نے پوچھا تھا۔
"انکل میں اماں سے پوچھوں گی اگر انہوں نے اجازت دی تو۔" اس نے کہا تھا۔
"اوہ یاد آیا آپ اپنا ایڈریس مجھے دیجیے گا۔ میں آپ کی اماں اور ماموں کو بھی انوائیٹ کروں گا۔ کل پرسوں تک میں گوجرانوالہ جا رہا ہوں۔ کچھ لوگوں کو انویٹیشن دینا ہے۔ آپ کے ماموں سے بھی مل آؤں گا اور پرمیشن بھی لے لوں گا؟" انہوں نے گویا اس کا مسئلہ حل کیا تھا۔
"انکل اماں تو کہیں نہیں جاتیں۔ جہاں تک ماموں کا تعلق ہے تو وہ......" اس نے بتانا چاہا مگر انہوں نے بات کاٹ دی۔
"آپ ایڈریس دے دیں۔ ہم انوائیٹ کر دیں گے آگے آنا نہ آنا ان کی مرضی پر منحصر ہے کیوں بھابھی؟؟" انہوں نے کہا تو اسے ایڈریس دینا پڑا۔ کیوں کہ ایمن کی ممی بھی ان کی ہی ہم خیال تھیں۔
اور پھر اس کے دو تین دن بعد ہی اماں کا فون آ گیا۔ جس میں انہوں نے اس کو شادی پر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس تنبیہہ کے ساتھ کہ صرف بارات میں شریک ہو اور بس۔ بقول ان کے بارات میں جانے کی اجازت بھی صرف اس لیے مل رہی ہے کہ ابو ہریرہ فارغ ہیں اس دن وہی اسے لے جائیں گے اور واپس ہاسٹل چھوڑ دیں گے۔
دوسرے ایمن کی ممی اور آشان آفندی دونوں کے بہت اصرار پر انہوں نے اجازت دی تھی۔ بقول ان کے ان لوگوں کے بار بار اصرار نے انہیں اجازت دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اتنی دور سے وہ لوگ انہیں انوائیٹ کرنے آئے تھے۔ لالہ جی اور اماں کو اچھا نہیں لگا کہ انہیں انکار کریں اس لیے ابو ہریرہ کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ اسے لے کر بھی جائیں اور چھوڑ کر بھی آئیں۔
اماں سے ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ انکل خود انوائیٹ کرنے نہیں گئے۔ شاید کوئی ضروری کام آن پڑا تھا اس لیے آشان آفندی کو امن کی ممی کے ساتھ بھیج دیا تھا۔
بہر حال کچھ بھی تھا اسے اجازت مل چکی تھی اور اب اس کے لیے بارات میں جانے اور گفٹ لانے کا مسئلہ تھا۔ جو اماں نے یہ کہہ کر حل کر دیا کہ ابو ہریرہ کے ہاتھ اس کے کپڑے اور آشان کی بہن کے لیے گفٹ بھی بھجوا دیں گی۔ سو اب وہ مطمئن تھی کہ ایمن کی روز روز کی بازپرس اور دھمکیوں سے بھی نجات مل گئی تھی جو وہ اسے شادی میں شریک نہ ہونے پر دیتی تھی۔

✈ ✈

جس دن تجھ سے ملتا ہوں
خود کو اچھا لگتا ہوں

آج آشان آفندی کی بہن کی شادی تھی چونکہ لالہ جی اسے پہلے ہی تمام چیزیں پہنچا چکے تھے سو اب وہ تیار بیٹھی ابو ہریرہ کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک تو نائٹ فنکشن اوپر سے واپسی کے لیے جلدی کی ٹینشن اس نے اماں سے کہا بھی تھا کہ ابو ہریرہ کو جلدی بھیج دیں تاکہ وہ جلدی واپس آ سکے مگر سات بجنے کو تھے اور ابو ہریرہ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
اس وقت بھی وہ گھر فون کرنے کا سوچ کر باہر نکلی تھی کہ ارشاد بھائی نے ابو ہریرہ کے آنے کی اطلاع دی۔
"تھینکس گاڈ۔ آپ پہنچ گئے، میں کتنی دیر سے انتظار کر رہی تھی۔" اس نے پیکٹس گاڑی میں رکھتے ہوئے بے ساختہ انہیں مخاطب کیا تھا۔
"اسلام علیکم۔" ابو ہریرہ کو یہ کمال حاصل تھا کہ دوسرے بندے کو اس کی غلطی کا احساس بڑے ڈیسنٹ انداز میں کرواتے تھے۔

"وعلیکم اسلام۔ سوری ٹینشن میں میں بھول گئی۔"

"کوئی بات نہیں بیٹھو۔"

انہوں نے فرنٹ ڈور کھول کر کہا تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"ایکچوئیلی میں نے جلدی آجانا تھا مگر بابا جان کو کچھ کام پڑ گیا تھا اس لیے گاڑی وہ لے گئے تھے۔ ان کے انتظار میں اتنی دیر ہو گئی۔" انہوں نے اپنے دیر سے آنے کی وضاحت کی تھی۔

"کوئی بات نہیں مجھے دراصل یہ ٹینشن تھی کہ دیر سے جاؤں گی تو پھر دیر سے فارغ ہوں گی اور وارڈن نے گیارہ بجے تک کی اجازت دی ہے۔" اس نے وضاحت کی تھی۔

"وہ تو کوئی مسئلہ نہیں میں ہوں نا ساتھ۔ ویسے کیا جانا بہت ضروری ہے۔" انہوں نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب۔" وہ مسکرائے "آج تم اچھی لگ رہی ہو۔" انہوں نے یکدم کہا تو وہ ایک لمحے کو چپ سی ہو گئی۔

"کیا ہوا کوئی بری بات کہہ دی میں نے۔"

"نہیں۔"

"پھر چپ کیوں ہو گئیں؟"

"ایسے ہی!"

"رحل۔" انہوں نے پھر انہی دھیمے سروں میں اسے پکارا تھا۔ جو اس کے دل کو چراتے تھے۔

"جی!"

"تم اچھی ہو اور مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ شاید یہ اس رشتے کا کمال ہے جو میرے تمہارے درمیان موجود ہے یا پھر تم واقعی بہت اچھی ہو۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کچھ خاص گوشے ہیں جو کسی کے لیے نہیں ہو سکتے اور بدلے میں میں صرف یہ چاہوں گا کہ تم مجھ پر اعتماد رکھنا۔ میں نے پھوپھو سے اگرچہ وعدہ کیا تھا کہ تمہیں تنگ نہیں کروں گا مگر کیا کروں یہ رشتہ ہی ایسا ہے کہ دل خود بخود تمہیں تنگ کرنے کو چاہتا ہے۔ دل پر تو کوئی زور نہیں چل سکتا ناں۔" انہوں نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا جبکہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں جا سمائے۔

"پلیز ابوہریرہ!" زندگی میں شاید پہلی بار وہ ان کے سامنے ان کا نام لے بیٹھی تھی۔

"آج سے پہلے مجھے اپنا نام کبھی اتنا خوب صورت نہیں لگا۔ ایک دفعہ پھر پکارو۔" انہوں نے فرمائش کی تو بے ساختہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"پلیز...!"

"پتہ ہے رحل کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم سے ڈھیروں باتیں کروں۔ ادھر ادھر کی لایعنی باتیں۔ اپنے اور تمہارے تعلق کی خوب صورت باتیں۔ جب بابا نے مجھ سے تمہارے سلسلے میں بات کی تھی تو میرے ذہن میں کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ میرے مان جانے سے پھپھو خوش ہو جائیں گی مگر اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد تم اتنی تیزی سے میرے قریب آئیں کہ اب مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے دل میں ہر جگہ صرف تم ہو اور کچھ بھی نہیں۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم سے اپنے دل کی کیفیات بیان کروں اور تمہارے دل کی سنوں یہ محبت انسان کو کتنا بے بس کر دیتی ہے رحل کہ پھر بس وہ محبت سننا چاہتا ہے یا بولنا چاہتا ہے اور کچھ نہیں، ہے ناں۔" ابوہریرہ نے تائید طلب نظروں سے اس کو دیکھا تھا جبکہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"تم نے کچھ کہا نہیں رحل؟"

"کیا کہوں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی؟"

"اچھا یہ بتاؤ کیا میں بھی تم کو اچھا لگتا ہوں؟"

"پتہ نہیں۔"

"یہ کیسا جواب ہوا؟"

"پلیز ابھی آپ مجھ سے کچھ نہیں پوچھیں۔"

ایک تو دل دوسرے ابوہریرہ کے سوال عجیب

Digest Novel Lover group

مشکل میں تھی اس وقت وہ۔
"اوکے ابھی کیا میں کبھی بھی تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہوں گا مگر وعدہ کرو جب بھی میرے حوالے کو تم نے اپنے دل کے قریب محسوس کیا۔ مجھے ضرور بتاؤ گی۔"
ابوہریرہ نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا جبکہ ایک سکون سا ابوہریرہ کے چہرے پر اتر آیا تھا اس کے اثبات پر۔
"ویسے میں تو کسی کو جانتا بھی نہیں۔ میں کیا کروں گا وہاں پر۔" ابوہریرہ نے گویا موضوع تبدیل کیا تھا۔
"جانتی تو میں بھی نہیں مگر ایمن کی وجہ سے شریک ہونا پڑ رہا ہے، ویسے ایمن کی فیملی کافی اچھی ہے آپ کو بوریت نہیں ہوگی۔" اس نے یقین دلایا تھا۔
"چلو دیکھتے ہیں۔"
ابوہریرہ نے پارکنگ میں گاڑی روکی تھی اور پھر گاڑی لاک کرتے ہوئے انہوں نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی دروازہ کھول کر ان کے ساتھ باہر اتر آئی۔
اسے ابوہریرہ کے ساتھ دیکھ کر جہاں ایمن نے خوشی کا اظہار کیا تھا وہیں اس کے خوب خبر بھی لی تھی بقول اس کے۔
"سخت بدتمیز شئے ہو تم تمام فنکشنز کا انوٹیشن تھا تمہیں مگر محترمہ مہمانوں کی طرح بارات والے دن آ رہی ہیں۔"
"سوری تمہیں پتہ تو ہے کہ..." اس نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے کہا یوں جیسے ایمن سب سمجھ جائے گی۔
"ہاں پتہ ہے مجھے تمہارے بہانے۔"
"یہ آپ دونوں فرینڈز لڑتی رہیں گی یا کہیں بیٹھیں گی بھی۔" ابوہریرہ نے مداخلت کی تھی۔
"اوہ سوری ہریرہ بھائی۔ آیئے میں آپ کا تعارف کرواؤں اپنی فیملی سے۔" ایمن نے کہا تھا۔
پھر وہ انہیں ساتھ لے کر اس طرف چلی آئی جہاں آنٹی وغیرہ کھڑی تھیں۔ ابوہریرہ ــــــ کا تعارف کروا کر اس نے اپنے بڑے بھائی کی ڈیوٹی لگائی کہ انہیں بور نہ ہونے دیں اور خود اسے لے کر اندر ڈریسنگ روم میں آ گئی جہاں اس کی بہنیں اور آشان کی بہن تیار بیٹھی تھیں۔ اور دلہن بنی بڑی پیاری لگ رہی تھی۔
"آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں رحل آپی"؟ ثمن نے اس کی تعریف کی تھی۔
"واقعی ثمن تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ دلہن بن کر کتنی شاندار لگیں گی۔ ہیں ناں کاش ہم اس وقت آپ کو دیکھ سکیں۔" امن نے تائید کی تو حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک لمحے کو دھڑکنوں میں ابوہریرہ کے نام کی بازگشت سنائی دی تھی جانے کیوں؟
"کاش کیوں ہم ضرور دیکھیں گے آپ ہمیں اپنی شادی میں بلائیں گی ناں رحل آپی۔" رائمہ نے امن کو دیکھا دیکھی کہا تھا۔
"ارے بھئی یہ کون کس کی شادی پر جا رہا ہے؟" ابھی لمحے آشان آفندی اندر داخل ہوا تو اس نے پوچھا۔
"رحل آپی کی شادی پر۔"
"رحل آپی یہ کون۔ اوہ تو آپ ہیں۔ کب آئیں آپ؟" اسی لمحے آشان آفندی کی نظر اس پر پڑی تو وہ چونک سا گیا۔ بڑے جاندار لہجے میں اس نے اس کا حال دریافت کیا تھا۔
اور جانے کیوں اسے وہم سا گزرا تھا کہ آشان کی آنکھوں میں اس لمحے ایک چمک سی لہرائی تھی۔
"اسلام علیکم۔ مبارک ہو آپ کو۔"
"خیر مبارک۔ آپ کس کے ساتھ آئیں۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا؟"
"اپنے کزن کے ساتھ آئی ہوں اور ابھی آئی ہوں۔" اس نے جواب دیا تھا۔
"حیرت کی بات ہے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ یعنی اب ہوائیں بھی دشمنی پر آمادہ ہو گئیں جنہوں نے خبر کرنا گوارا نہیں کیا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا

تھا۔

"مائی گاڈ آشان بھائی کیا فلسفہ بول رہے ہیں آپ؟ لگتا نہیں کہ آپ انگلش میں ماسٹرز کر رہے ہیں۔"

امن نے ٹوکا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اسی لمحے ایک گریس فل سی خاتون اندر آئی تھیں اور سب کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

"توبہ ہے آشان تمہیں کس لیے بھیجا تھا میں نے اور تم یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے ہو؟"

"اوہ سوری ماما یاد نہیں رہا رائمہ مولوی صاحب ادھر آنے والے ہیں تم کوئی دوسرا دوپٹہ امل کے اوپر اوڑھا دو۔"

آشان نے رائمہ کو مخاطب کیا تو وہ لوگ ان انتظامات میں لگ گئیں۔ جبکہ وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"ماما ایک منٹ رکیں ذرا۔" آشان نے جاتی ہوئی اپنی والدہ کو مخاطب کیا تھا۔

"ہوں۔ کیا بات ہے؟"

"ماما۔ ادھر آئیں۔ ان سے ملیں یہ رحل ہیں۔ رحل حسن آفندی۔" اس نے اس کا تعارف کرایا۔ جبکہ اسے اس کا انداز کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"اسلام علیکم۔"

"وعلیکم اسلام۔ کیسی ہو؟" انہوں نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ مبارک ہو آپ کو بیٹی کی شادی۔"

"تھینک یو کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"اپنے کزن کے ساتھ۔"

"ہوں ابھی تو میں کچھ مصروف ہوں۔ بعد میں تم سے ملوں گی اور دیکھو کوئی تکلف نہیں کرنا۔ میرے لیے تم رائمہ کی طرح ہی ہو۔ رائمہ بیٹا رحل کو بور نہ ہونے دینا۔" انہوں نے کہا اور آشان کو جانے کیا اشارہ کرتیں باہر نکل گئی تھیں۔ جبکہ آشان اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"یہ ایمن پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے؟" اس نے اپنا یا پتہ نہیں کس کا دھیان بٹایا تھا۔

پتہ نہیں کیا بات تھی کہ بہت شاندار تقریب ہونے کے باوجود وہ سارا وقت آشان آفندی کے حوالے سے پریشان ہی رہی اس کے دیکھنے کے انداز اسے عجیب سے وہموں میں مبتلا کیے دے رہے تھے اور یہ وہم کیسے تھے؟ اس کا دل اس پر واضح نہیں کر پا رہا تھا۔

خواب کی مسافت سے
وصل کی تمازت سے
روز و شب ریاضت سے
کیا ملا محبت سے
ایک ہجر کا صحرا
ایک شام یادوں کی
اک تھکا ہوا آنسو

رحل کے فائنل پیپرز ہو رہے تھے اور وہ ان میں کافی مصروف تھی۔ اسی لیے میں اسے روز فون نہیں کر رہی تھی۔ وجہ صرف یہی تھی کہ میں چاہتی تھی کہ وہ یکسو ہو کر پڑھے۔ آج کل میں اسے صرف ویک اینڈ پر ہی فون کر رہی تھی۔

دوسری طرف میں خود بھی بہت مصروف تھی۔ کیونکہ ثمین باجی اب رخصتی کا کہہ رہی تھیں خود میرا بھی یہ ہی خیال تھا کہ رحل کے پیپرز کے بعد رخصتی کی کوئی تاریخ طے کر دیتے ہیں۔ سو آج کل میں اور ثمین باجی رخصتی کی تیاریوں میں مشغول تھے۔

اس دن میں رحل کے دوپٹے پر موتی ٹانگ رہی تھی کہ عرفات لالہ میرے پاس چلے آئے۔

"خیریت لالہ آج آپ جلدی گھر آ گئے۔"

"ہوں۔ وہ دراصل کچھ مہمانوں نے آنا تھا اس لیے۔" انہوں نے بتایا۔

"کون سے مہمان؟"

"رحل کے کلاس فیلو آشان حسن کے والدین آئے ہیں۔"

"کیا یہاں۔"

"نہیں پہلے آفس آئے تھے۔ انہیں ہی لے کر گھر آیا ہوں۔"

"خیریت سے آئے ہیں وہ لوگ۔" میں نے چونک کر پوچھا تھا۔

"عشاء۔" انہوں نے جواب دینے کی بجائے مجھے پکارا تھا۔

"عشاء جانتی ہو آشان حسن کے والد کون ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"آشان کا والد زوار حسین آفندی ہے۔" انہوں نے گویا دھماکہ کیا تھا۔

"کیا...؟ زوار حسن آفندی۔"

"ہوں عشاء اور اسی لیے میں اسے گھر لے کر آیا ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ اس کے آنے کا کیا مقصد ہے۔ مگر یہ طے ہے کہ میں اس کی بیگم کو اس کا آج سے پچیس سال پہلے والا چہرہ ضرور دکھاؤں گا۔ اتنے عرصے ہمیں بے سکون رکھنے والے شخص کی زندگی میں بھی تو کچھ بے سکونی آئے ناں۔ سارا بھگتان تم نے دیا کچھ عذاب تو اس کے حصے میں بھی آئیں۔ عشاء اگر تم واقعی مجھے اپنا بھائی سمجھتی ہو تو جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا۔ کرو گی ناں۔" عرفات لالہ نے مجھ سے پوچھا۔

اور میں اثبات کے سوا اور کیا جواب دیتی کہ آج تک انہوں نے جو کچھ میرے لیے کیا وہ شاید کیا یقیناً میرا سگا بھائی بھی نہیں کر پایا۔ ساری دنیا کو میں انکار کر سکتی تھی مگر انہیں نہیں سو میں نے انہیں اثبات میں ہی جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم یوں کرو لاؤنج میں آجاؤ اور جب میں تمہیں بلاؤں تو ڈرائنگ روم میں چلی آنا۔" انہوں نے کہا تو میں سامان سمیٹ کر لاؤنج میں چلی آئی۔

ہمارے ہاں لاؤنج اور ڈرائنگ روم ساتھ ساتھ تھے۔ سو میں لاؤنج کے دروازے سے ڈرائنگ روم میں ہونے والی کارروائی آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔ زرتاشہ کالج گئی ہوئی تھی جبکہ ابوہریرہ آفس میں تھا۔ سو گھر میں اس وقت کوئی بھی ایسا نہ تھا جس سے تمام کارروائی اوجھل رکھنے کی کوشش کی جاتی۔ جبکہ ثمین باجی تو میری رازدار تھیں ہی۔

"بڑی دیر لگادی آپ نے؟"

یقیناً" یہ سوال کرنے والا زوار حسن آفندی ہی تھا۔ وقت نے اسے پہلے سے زیادہ سحر انگیز کر دیا تھا۔ معتبر۔ دبنگ اور میں 'میں' اس کے مقابلے میں آج بھی زیرو کی حیثیت رکھتی تھی جس کی طرف نگاہ کرنا شاید کوئی پسند ہی نہیں کرتا۔

"آئی ایم سوری۔" عرفات لالہ نے معذرت کی تھی۔

"رحل کی والدہ نہیں آئیں؟" زوار حسن آفندی کی بیگم نے سوال کیا تھا۔

"میں نے آپ کی آمد کا بتا دیا ہے ابھی آجاتی ہیں وہ۔"

"ٹھیک، ویسے رحل کے متعلق کوئی بات کرنی ہو تو وہ آپ سے بھی کی جا سکتی ہے... ہے ناں؟" زوار حسن نے سوال کیا تھا۔

"جی ضرور کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"خاص نہیں بلکہ خاص الخاص کہیے؟" زوار حسن آفندی کے انداز نے مجھے عجیب طرح کے وہم میں مبتلا کر دیا تھا۔

عمران ڈائجسٹ میں شائع ہونیوالا وہ قسط وار سلسلہ
جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا
ترکش
منگوانے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

”خدایا جو میں سمجھ رہی ہوں وہ نہ ہو۔“ میرے دل نے دعا کی تھی۔

”اچھا ایسی کون سی خاص الخاص بات ہے۔ مجھے بھی تو پتہ چلے۔“ عرفات لالہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

اسی لمحے مجھے اپنے پیچھے آہٹ کا احساس ہوا میں پلٹی تو دیکھا ثمین باجی چلی آرہی تھیں۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اپنے پاس انہیں بھی کھڑا کر لیا۔

اندر زوار حسن آفندی کی بیگم اب عرفات لالہ سے بات کر رہی تھیں۔

”بھائی صاحب بات دراصل یہ ہے کہ آشان ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ بہت لاڈلا۔ آج تک ہم نے اس کی کوئی بات نہیں ٹالی۔ اس کی کیا کبھی ہم نے اپنی بیٹیوں کی بھی کوئی بات نہیں ٹالی یہ اور بات کہ کبھی میری بیٹیوں نے کوئی ضد نہیں کی مگر آشان بہت ضدی ہے۔ ایک دفعہ جو چیز پسند کر لے بس اسے حاصل کرنے کی ضد کر بیٹھے گا۔ پھر چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے وہ اپنی ضد سے نہیں ہٹے گا۔ اس کی اس عادت سے ہمارے پورے خاندان والے بھی واقف ہیں۔“ انہوں نے گویا تمہید باندھی تھی۔

”جی ہوتے ہیں بعض بچے ایسی ضدی طبیعت کے اور نہ چاہتے ہوئے بھی والدین کو ان کی ضد پوری کرنی پڑتی ہے۔“ عرفات لالہ نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

”ٹھیک سمجھے آپ‘ آپ بھی اولاد والے ہیں۔ یقیناً“ آپ کو بھی پتہ ہو گا کہ اولاد بعض اوقات والدین کو بہت مجبور کر دیتی ہے۔ ایسی باتیں ماننے پر جو شاید عام حالت میں وہ مانتے ہی نہیں۔“ زوار حسن نے تائید کی تھی۔

”جی میں سمجھتا ہوں۔ مگر اس وقت مسئلہ کیا ہے میں سمجھ نہیں پایا۔“ عرفات لالہ نے پوچھا تھا۔

”دراصل بھائی صاحب ایمن سے تو آپ ملے ہی ہیں ناں میری بھتیجی ہے وہ۔ کچھ عرصہ قبل میں نے اس کے ساتھ آشان کی منگنی کی تھی۔ مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا اور یہ بات اس نے میرے ساتھ ساتھ ایمن کے والدین سے بھی کہی تھی اور ایمن کے والدین کا تو کوئی مسئلہ نہیں میں انہیں سمجھا لوں گا۔ مسئلہ بس آپ کا ہے کہ آپ اپنی رضامندی دے دیں۔“ زوار حسن اصل موضوع کی طرف آئے تھے۔

”میری رضامندی کس سلسلے میں؟“ عرفات لالہ نے مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔

”میں آپ کو بتاتی ہوں اصل بات دراصل آشان کو رحل آپ کی بھانجی بہت پسند ہے۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر آپ اپنی رضامندی دے دیں تو ہم لوگ باقاعدہ رسم کر دیں۔ آپ کہیں سے بھی ہمارا پتہ کروا لیں۔ انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔ رحل کو ہم اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ آشان کی ایک اچھی عادت یہ ہے کہ وہ جس چیز کے لیے ضد کرتا ہے جب اسے مل جائے تو اس کو بہت حفاظت سے رکھتا ہے پھر بھی آپ کو کوئی خدشہ ہو تو ہم آپ کو پوری گارنٹی دے دیں گے۔ کیوں زوار؟“ زوار حسن آفندی کی بیگم نے گویا دھماکہ کیا تھا۔ جبکہ مجھے یوں لگا جیسے میں مزید کھڑی نہیں رہ سکوں گی۔ خدایا یہ کیسا رنگ دکھایا ہے تو نے مجھے زندگی کا؟ قطرہ در قطرہ گرتے آنسوؤں نے احتجاج کیا تھا۔

”جی‘ جی بھائی صاحب آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم آپ کو گارنٹی دیتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ہاں کہہ دیں رحل کو ہم اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔“ زوار حسن نے کہا تھا۔ جبکہ مجھے پورا کمرہ گھومتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ یہ لفظ ساری زندگی میں یہ لفظ سننے کو ترستی رہی اور اب اگر سننے کو ملے تھے تو کس انداز میں۔

کاش میں یہ سب نہ سنتی!

بند ہوتے ذہن کی آخری خواہش یہ ہی تھی۔

♡ ♥

(دوسری اور آخری قسط آئندہ شمارے میں)

MAY 2002
کرن
اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب
موسم اور آپ کی صحت
مفت

Nadia Majid

ہما شفیق حیدر

میں، محبت اور تم

digest novels lovers group

۲۲ جولائی۔

کئی آکاس بیلیں ہیں جو اندر سے چمٹتی ہیں
ضروری تو نہیں ہے۔
کہ شاخوں پر درختوں کی
اتر آئے وہ پیلا رنگ
بظاہر کچھ نہیں ان کو
مگر جب وقت آتا ہے
تو تنا ٹوٹ جاتا ہے
کسی کی داخلی صورت
کوئی کیسے سمجھ پائے
اسے کہنا گھڑی بھر کو
مرے دل میں اتر آئے

کبھی کبھی مجھے ابا سے سخت نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم ابا کی بیٹیاں نہیں بلکہ زر خرید غلام ہوں جنہیں عدم سے وجود میں لایا ہی اس لیے گیا ہو کہ وہ ابا کے احکام بلا چوں و چرا کیے بجا لائیں۔

مجھے بہت حیرت ہوتی ہے یہ سن کر کہ باپ بیٹیوں کو زیادہ چاہتے ہیں ہمارے ہاں تو یہ حال ہے کہ ابا ہمیں دیکھتے ہی چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ بقول ان کے۔

"ہر وقت یہ منحوس صورتیں میرے سامنے رہتی ہیں۔ صبح شام بس یہ ہی نظر آتی ہیں۔ زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے انہوں نے تو میری۔"

مجھے نہیں یاد کہ ابا نے کبھی ہمیں محبت بھری نگاہ سے دیکھا ہو۔ بلکہ ہر لحہ ہمیں ان کی طرف سے طعن و تشنیع ہی ملتے رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے دل میں بھی کبھی ان کے لیے وہ محبت نہیں پیدا ہوئی جو باپ کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ برعکس اس کے کبھی کبھی تو ان سے اتنی شدید نفرت محسوس ہوتی کہ دل چاہتا دور کہیں چلے جائیں جہاں ابا کا وجود بھی نہ ہو۔

وہ چاہے میں ہوں یا فجر آپی یا پھر ثمین باجی ہم میں

ناولٹ

۲
دوسری اور آخری قسط

"بچی ہے یہ نویں میں پڑھ رہی ہے۔ اچھی خاصی بڑی ہے یہ تم یہ پردہ داریاں مت کیا کرو۔ انہی باتوں کی وجہ سے بیٹیاں بگڑتی ہیں۔ جاؤ تم میرا منہ کیا دیکھ رہی

digest novels lovers group

سے کبھی بھی کسی نے ابا سے محبت نہیں کی بلکہ ان کے بارے میں کبھی کوئی بات منہ سے نکل بھی جاتی تو نظریں چرا لیتے تھے۔ نفرت کا یہ سلسلہ صرف ہمارے مابین ہی نہیں تھا بلکہ ربیعہ آپا فرحین بجو شاہین اور صدف آپی بھی اسی نفرت کے زیر اثر تھیں۔ کبھی تو شادی کے بعد ایک بار بھی پلٹ کر نہ آئی تھیں۔ ان کے بارے میں کبھی میں فجر آپی سے پوچھ لیتی تو وہ یہ ہی کہتیں۔

"یہاں آکر کیا کریں گی وہ خدا خدا کر کے تو ان نفرت بھری فضاؤں سے آزادی ملی ہے انہیں۔ دوبارہ پلٹ کر آنے کی حماقت کیوں کریں گی وہ۔ یہاں کون سے محبتوں کے دیے جل اٹھتے ہیں۔"

نفرت کا یہ سلسلہ پتا نہیں کب شروع ہوا تھا میں نہیں جانتی البتہ یہ معلوم ہے کہ ہم بہنوں میں سے کسی سے بھی انہیں کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا باپ کی شفقت دینا تو دور کی بات انہوں نے تو کبھی ہمیں اس تحفظ سے بھی آشنا نہیں کیا جو باپ کی وجہ سے بیٹیوں کو ملتا ہے۔

ابا کو پتہ تھا کہ مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے مگر اس کے باوجود وہ مجھے جان بوجھ کر اندھیرے میں ہی کام کے لیے بھیجتے۔ گرمیوں میں جب ہم سب چھت پر سوتے تو ابا بلاوجہ میں ہی مجھے نیچے کسی کام کے لیے بھیج دیتے۔

"اے چھٹکی جا ذرا نیچے سے میرے سگریٹ تو اٹھا لاؤ۔"

"ابا میں۔۔!" میں بے یقینی سے اپنی طرف اشارہ کرتی۔

"ہاں تو کیا میں جاؤں؟"

"ابا وہ میں مم مجھے۔۔؟" میں اپنے خوف کا بتانا چاہتی مگر ابا کی غصیلی آنکھیں مجھے بات مکمل ہی نہ کرنے دیتی تھیں۔

"اسے رہنے دیں میں لا دیتی ہوں آپ کو سگریٹ۔" اس لمحے اماں میری مدد کو اٹھ جاتیں۔

ہو، جلدی سے نیچے سے سگریٹ لے کر آؤ۔" وہ اماں پر بگڑتے بگڑتے مجھ پر چلاتے۔ تو میں کانپتی ٹانگوں کے ساتھ سیڑھیوں کا رخ کرتی مگر اس لمحے مجھے ابا سے کتنی نفرت محسوس ہوتی۔ میں کسی کو بتا نہیں سکتی۔

اس لمحے ابا کی آنکھوں میں جو فتح کا احساس ہوتا تھا وہ مجھے ہمیشہ یہ احساس دلاتا کہ وہ مجھے میری کمزوریوں پر پکڑنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بالکل ایسی ہی خوشی جیسے آپ اپنے بدترین دشمنوں کے زخموں کو کرید کر محسوس کرتے ہیں اور پتہ نہیں یہ خوشی تھی یا کینگی مگر مجھے اتنا معلوم ہے کہ اس کے بعد مجھے ابا سے ہمیشہ ردعمل میں نفرت ہی محسوس ہوئی۔ محبت نہیں۔!

۲۷ جولائی۔

بے خوابی کی لوح پہ
خواب قلم سے لکھے ہوتے ہیں
اول عمر کی آنکھوں میں
مرجانے والے
آنسو ہوتے ہیں
وقت ڈھلان پہ
ٹھہرے ہوئے
نوحے ہوتے ہیں
دل دہلیزوں پر
مٹی ہونے والے
وعدے ہوتے ہیں
کچی عمروں کے دکھ پکے ہوتے ہیں

آج پھر میں بہت زیادہ اپ سیٹ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بہت زیادہ روؤں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ابا کی بے نیازی، ابا کا غصہ ایک دن مجھے مار دے گا۔

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہمارے اور ابا کے درمیان کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں ہے نہ خون کا اور نہ ہی دل کا جبھی تو ابا ہم سے اتنی بے نیازی برتتے ہیں اس دنیا میں ان کا صرف علی شیر سے رشتہ ہے دل کا بھی اور خون کا بھی جبھی تو وہ اپنی ساری محبتیں صرف اسی پر لٹائے جاتے ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ علی شیر میں سوائے بیٹا ہونے کے ایسی کونسی خوبی ہے جو ابا کو اس کا اسیر کیے ہوئے ہے۔

ابا علی کا جس طرح دھیان رکھا کرتے تھے اس سے میں رشک و حسد میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ مگر آج، آج جو انہوں نے کیا میرا دل چاہا کہ ان کے ساتھ ساتھ علی کو بھی۔۔۔ اف۔۔۔ میں کیا کروں۔ میں اس طرح سے نہیں سوچنا چاہتی مگر ابا مجھے مجبور کر دیتے ہیں۔

اور شاید ابا کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ تھی مگر مجھے یوں لگا جیسے ابا نے پورے شہر میں میرے اشتہار لگوا دیے ہوں۔ میں کیسے بھولوں گی یہ سب اور بات بھولنے والی ہے بھی نہیں!

ہمیشہ سے ابا کی یہ ہی عادت رہی ہے کہ بازار کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے وہ مجھے ہی بھیجا کرتے تھے۔ وہ مجھے چھٹکی کہتے ہی نہیں بلکہ سمجھتے بھی ہیں جبھی تو میرا بڑھتا قد جو باہر والوں کو ٹھٹھک کر رکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ابا کو نظر نہیں آتا تھا۔

آج بھی جب چھ بجے کے قریب فجر آپی کے سسرال والے اچانک چلے آئے تو ابا نے حسب معمول مجھے قریبی بیکری سے ریفریشمنٹ کا سامان لینے کے لیے بھیج دیا۔

"ابا علی کو بھیج دیں اندھیرا ہو رہا ہے مجھے ڈر لگے گا۔" سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں منمنائی تھی۔

"آگے سے جواب دے رہی ہو تم تمہاری یہ ہمت تم سے جو کہا ہے وہی کرو علی تھکا ہوا آیا ہے فالتو نہیں ہے وہ جو میں اسے آتے ہی دوڑا دوں اور پھر تم کس مرض کی دوا ہو یہ پاس ہی تو بیکری ہے جاؤ بھاگ کر لے کر آؤ یہ سب سامان۔"

ابا نے اپنی سرخ غصیلی آنکھیں مجھ پر گاڑتے ہوئے کہا تو میں سارے شکوے اور دلائل دل میں ہی دبائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر اس لمحے مجھے ابا سے جتنی نفرت محسوس ہوئی کوئی نہیں جانتا۔

اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ بیکری والے نے پتہ نہیں جان بوجھ کر یا پھر انجانے میں پیسٹریاں اور چکن

digest novels lovers group

سینڈوچ باسی ہی سامان میں رکھ دیے میں نے بھی توجہ نہیں دی۔ گھر جانے کی جلدی میں میں نے سامان پکڑا اور واپسی کے لیے دوڑ لگا دی۔

اور آج کا دن ہی شاید منحوس تھا تبھی تو دروازے پر ہی ابا مل گئے وگرنہ اماں کو سامان دیتی تو شاید کچھ بچت ہو جاتی۔

"یہ سامان لے کر آئی ہو تم سارا باسی یہ باسی چیزیں بہن کے سسرال والوں کو دو گی تاکہ وہ دوبارہ پلٹ کر نہ آئیں۔ چلو جاؤ اور تمام چیزیں واپس کر کے آؤ۔" ابا نے حکم صادر فرمایا تھا۔

"ابا۔!" میں نے شدید بے بسی کے عالم میں انہیں پکارا تھا۔

"جاؤ۔ جلدی سے فالتو کے پیسے نہیں ہیں میرے پاس جو تمہاری لاپرواہیوں کی نذر کر دوں جاؤ یہ سامان لے کر جاؤ اور اس بے ایمان شخص کو واپس کر کے آؤ۔ آج کل کے لوگوں میں تو ذرا خوف خدا نہیں ہے مجال ہے جو صحیح چیز دے دیں' جب تک چھان پھٹک نہ کریں۔ چیز اٹھانی نہیں چاہیے۔ مگر ہماری یہ اولاد خود کو بادشاہ زادی سمجھتی ہے جبھی تو ہر الم غلم اٹھا چوں و چرا اٹھا لاتی ہے۔ جاؤ اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو واپس کر کے آؤ یہ سارا سامان۔!"

"ابا۔ ابا میں اکیلی۔ علی کو ساتھ۔" میں نے کہنا چاہا۔

"سارا وقت علی کی دشمن بنی رہا کرو تم' اس کے آرام کا ذرا خیال نہیں ہے تمہیں۔ ایک ذرا کام کیا کرنا پڑ گیا کہ اس کا آرام تمہیں کھٹکنا شروع ہو گیا۔ کوئی نہیں جائے گا علی تمہارے ساتھ تم اکیلی جاؤ گی اور یہ سامان واپس کر کے آؤ گی غلطیاں تم کرو اور بھگتے علی جاؤ دفع ہو جاؤ اور جلدی سے یہ سامان واپس کر کے آؤ۔" ابا نے کہا تو میں الٹے پیروں واپس ہو گئی۔

"انکل یہ سامان واپس کر لیں۔" بیکری والے کو سامان واپس دیتے ہوئے میرا شرمندگی سے برا حال تھا۔

"کیوں۔ کیا ہوا سامان کو؟"

"میرے ابا کہتے ہیں کہ باسی ہے یہ سامان۔"

"اچھا بڑی خبر ہے تیرے ابا کو باسی سامان کی اسے کہنا اگر اتنا ہی خیال ہے تو اپنا تازہ سامان سا ہر نہ نکالا کرے۔" عجیب بے ہودہ انداز تھا اس شخص کا۔ مجھے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا۔

"پیسے لینے ہیں واپس تو نے؟" عجیب معنی خیز انداز میں اس نے پوچھا تھا۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا اور اس وقت پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ بیکری میں اس کے اور میرے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

"جی۔!" میں نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل اثبات میں سر ہلایا تھا۔ "تم میرے ساتھ اندر آؤ میں تمہیں پیسے دے دیتا ہوں ٹھیک۔"

عجیب حلاوت آمیز لہجے میں کہا تھا جبکہ میری چھٹی حس نے مجھے کسی گڑبڑ کا احساس دلایا تھا۔

"آؤ ناں میرے ساتھ۔" اس نے مجھے چپ دیکھ کر اصرار کیا تھا۔

"نن۔ نہیں میں کل لے جاؤں گی۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا اور میں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"اف اب کیا کروں؟ ابا تو بہت غصے ہوں گے۔" ایک مصیبت سے نکلی تھی اور دوسرا ڈر سر پر سوار ہو گیا تھا۔ میرا دل چاہا میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں اور پھر واقعی میں نے لرزتی ٹانگوں کو زمین پر ٹکایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس خوف سے بے پرواہ ہو کر کہ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔

"ار۔ ارے' ارے یہ کیا آپ رو کیوں رہی ہیں؟" ایک مہربان آواز مجھے سنائی دی تو میں نے چونک کر سر اٹھایا وگرنہ شاید میں کتنی دیر تک روتی ہی رہتی۔

"وہ' م میں۔" میں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہنا چاہا مگر روانی سے بہتے آنسوؤں نے کچھ کہنے ہی نہ دیا۔

"ہاں' ہاں۔ کیوں رو رہی ہیں آپ؟ مجھے بتائیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں شاباش چپ ہو

جائیں اور مجھے بتائیں!" بڑے ہمدردانہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔
"وہ میں میرے پیسے کھو گئے ہیں میں گھر گئی تو مجھے ابا ماریں گے۔" بے ساختہ میں نے کہا تھا۔
"ارے اتنی بڑی ہیں آپ، آپ کو ماریں گے؟" حیرت آمیز استعجاب سے پوچھا تھا۔
"مم میرا مطلب ہے ڈانٹیں گے" عجیب سی شرمندگی نے مجھے گھیرا تھا۔
"اچھا۔ کتنے پیسے گم ہوئے ہیں؟"
"پچاس روپے!"
"ہوں اچھا یہ لیں آپ پچاس روپے اور جا کر ابا کو دے دیں۔ اب تو نہیں نا ڈانٹیں گے وہ۔" وہ جو کوئی بھی تھا اس نے میری ہتھیلی پر پچاس کا نوٹ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ جبکہ مجھے عجیب سی ذلت محسوس ہوئی یوں جیسے مجھے کوئی بھیک دے رہا ہو۔
"ارے بھئی یہ رکھ لیں میں اسی گھر میں کرائے میں رہتا ہوں نیچے والے پورشن میں جب آپ کے پیسے آپ کو مل جائیں گے تو مجھے دے دیجیے گا۔ ٹھیک۔" اس نے شاید میرے دل کا حال پڑھا تھا جبھی بولا تھا۔
"آپ!" میں نے مٹھی مضبوطی سے بند کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جسے سمجھ کر اس نے جواب دیا تھا۔
"میرا نام زوار حسن آفندی ہے۔ اور تم؟"
"عشاء۔ عشاء" میں ساتھ ابا کا نام بتاتے بتاتے رک گئی ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا ابا کا نام پہچان کے طور پر لیتے ہوئے بھی میں جھجک جاتی تھی پتہ نہیں کیوں؟
"میں آپ کے پیسے جلد ہی لوٹا دوں گی شکریہ۔" دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے کہ کتنے دنوں میں پچاس روپے جمع کرلوں گی میں نے اسے کہا اور واپسی کی راہ لی۔
مگر اس وقت سے لے کر اب تک ایک عجیب سی شرمندگی نے مجھے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یہ سب سوچتی ہوں تو دل کرتا ہے کہ ابا سے دور چلی جاؤں کیا فائدہ ایسے رشتے کا جو ہمیں نہ تو محبت دے سکے اور نہ ہی تحفظ بلکہ الٹا ایک خوف کا احساس جو ہمیں ہر ایک کے سامنے شرمندہ کرا دیتا ہے۔ کاش یہ سب نہ ہوتا کاش مجھے اس بندے کا احسان نہ لینا پڑتا۔
اور وہ بیکری والا شخص۔ اف میرا دل چاہا کہ میں ثمین باجی یا فجر آپی کو اس کے بارے میں بتاؤں۔ مگر پتہ نہیں کیسی جھجک نے میری زبان پر تالے ڈال دیے تھے کہ میں کسی کو کچھ بتا بھی نہیں پائی۔
مگر یہ ڈائری تو میری رازدار ہے۔ اسی لیے اس سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی ہوں۔
دو اگست۔
محبت دل پہ دستک ہے
بدن کو روح کا رستہ دکھاتی ہے
محبت اک دعا ہے جو ہمیشہ ساتھ رہتی ہے
محبت ٹھنڈی چھاؤں ہے جو صحرا کے سفر میں کام آتی ہے
محبت اس کا پلو ہے
جہاں امید کے کچھ الفاظ باندھے ہیں
محبت اس کی آنکھیں ہیں
کہ جن میں خواب اگتے ہیں
محبت اس کا چہرہ ہے
کہ جس کی تہہ میں رکھے دل میں خواہش سانس لیتی ہے
محبت دل پہ دستک ہے!
آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اسکول سے واپسی پر مجھے وہی شخص مل گیا۔ جس نے اس رات پچاس روپے دے کر میری مدد کی تھی۔ وہی مہربان شخص جس کا نام زوار حسن آفندی تھا۔
اور یہ بھی شکر تھا کہ آج ثناء نے چھٹی کی تھی۔ میں اور ثناء اکٹھے ہی اسکول سے واپس آتے ہیں اگر وہ مجھے ثناء کے ساتھ پا کر بھی بلا لیتا تو میں ثناء کو کیا بتاتی؟ کس طرح سے تعارف کرواتی اس کا؟ یہ کہہ کر کہ اس شخص نے اس رات مجھے پچاس روپے دے کر میری

مدد کی تھی؟ اف اور پھر مجھے اس رات کا قصہ بھی بتانا پڑتا جو شاید میں کسی کو بتا نہیں سکتی شکر ہے خدا کا کہ آج ثناء چھٹی پر تھی۔

"عشاء۔۔۔ آپ عشاء ہیں ناں؟" مجھے اس کی آواز نے خیالوں سے چونکایا تھا۔

"جی۔۔!" گھبرا کر میں نے جواب دیا تھا۔

"میں نے اتنی دفعہ پکارا۔ کہاں گم تھیں آپ؟"

"یہیں تھی۔"

"اسکول سے آرہی ہو۔" وہ آپ سے تم پر آیا تھا۔

"جی۔"

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟" سوال پہ سوال۔

"نویں میں۔۔۔ وہ میں آپ کے پیسے جلدی دے دوں گی اصل میں مجھے یاد نہیں رہا تھا۔" میں نے جھوٹ بولا حالانکہ سچ یہ تھا کہ ابھی میرے پاس پیسے جمع نہیں ہوئے تھے۔

"ارے میں نے تم کو اس لیے تو نہیں روکا تھا؟" بے ساختہ اس نے کہا تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پھر کس لیے روکا تھا؟"

"یہ پوچھنے کے لیے کہ کیا پھر تمہارے ابا نے تمہیں نہیں ڈانٹا تھا۔"

"نہیں!"

"چلو، اچھی بات ہے! آؤ اندر آجاؤ۔" اس نے اسی سبز دروازے والے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا تھا جہاں وہ پہلی بار مجھے ملا تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں میں گھر جاؤں گی۔"

مجھے بیکری والے کی آفر بے ساختہ یاد آئی تھی۔

"اوکے دھیان سے جانا اور اگر کوئی خدانخواستہ کبھی مسئلہ ہوا تو مجھے ضرور بتانا ٹھیک!"

اس نے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیے۔

اور اب اس وقت میں سوچ رہی ہوں کہ جانے اس شخص زوار حسن آفندی میں ایسی کیا بات ہے جس نے پہلی ہی بار مجھے اپنائیت کا احساس دیا تھا۔

تبھی تو میں نے اس سے اپنا مسئلہ شیئر کرلیا تھا اور آج پورے پانچ دن گزرنے کے بعد جب میں اس سے دوبارہ ملی تھی تو بار بار یہ بات دھیان میں آرہی تھی کہ پچھلے گزرے سارے دنوں میں میں نے اسے کتنا بے تحاشا یاد کیا تھا یا شاید میں اسے ایک لمحے کو بھی اپنے ذہن سے محو نہیں کرسکی تھی اور ایسا پتہ نہیں کیوں ہوا؟

"کیا محض اس لیے کہ ابا نے کبھی ہمیں اپنے دھیان میں نہیں رکھا؟ کبھی ہمیں اپنی توجہ سے نہیں نوازا اور اب جب کسی اجنبی شخص نے پہلی بار بڑی توجہ سے بڑے دھیان سے مجھے سنا، مجھے سمجھا اور پھر بلا میرے کہے میرا مسئلہ بھی حل کردیا شاید اسی وجہ سے وہ شخص میرے دھیان میں جم سا گیا تھا۔"

عجیب سے سوال جواب میرے دل کی تہہ میں ابھر رہے تھے!

۱۵ اگست۔

تم ملے ہو تو کیا خود سے کلام
ورنہ ہم چپ تھے بہت
اپنے ہی آپ سے بھی چپ تھے بہت
بات معمولی نہیں ہوتی اگر سوچیں تو
بات قرآن ہوا کرتی ہے
بات فرمان ہوا کرتی ہے
بات میں ذات ہوا کرتی ہے شامل ورنہ
گفتگو میں کوئی تفریق ہی باقی نہ رہے
خود سے اک عمر خموشی میں کٹی
جانے کس خوف نے، کس خدشے نے جکڑی تھی زباں
جانے زنجیر تھی کیا لفظوں میں
اور تم آئے تو کیوں ٹوٹ گئی
خود کلامی کا یہ انداز بھی کیا خوب کہ ہم
تم سے بولے ہی چلے جاتے ہیں
بات رکتی ہی نہیں
ایک سے ایک بڑی روح کے ہونٹوں میں گرہ
کھولے ہی چلے جاتے ہیں

رنگ گھولے ہی چلے جاتے ہیں

آج شام ہی سے میرا دل بہت الجھن میں مبتلا ہے۔ سمجھ نہیں آرہا کہ میں نے صحیح کیا یا نہیں؟ کبھی سوچتی ہوں کہ اس وقت جس قسم کی سچویشن تھی اس کے مطابق یہی فیصلہ درست تھا مگر پھر سوچتی ہوں کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو کیسا ہوگا۔

مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کس سے مشورہ کروں؟ کسے اپنے دل کی کیفیت بتاؤں کہ پھر وہ مجھے ایسی بات کہہ دے جس سے مجھے تسلی مل جائے۔ یہ حوصلہ مل جائے کہ میں نے جو فیصلہ کیا وہ بالکل صحیح ہے۔

کبھی کبھی ہوتا ہے ناں ایسا کہ دل چاہتا ہے کہیں سے کوئی ایسی بات، ایسی دلیل مل جائے جس سے خود اپنے فیصلے کے صحیح ہونے کی تسلی مل جائے اور اس وقت میں بھی اسی کیفیت سے گزر رہی ہوں۔

کبھی سوچتی ہوں کہ فخر آپی اور ثمین باجی سے مشورہ کرلوں مگر پھر دل کہتا ہے کہ جن کے ذہن و دل پہ ڈر اور خوف کے پہرے ہوں ان کے مشورے صائب نہیں ہوتے۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ جب سے میں زوار حسن آفندی سے ملی ہوں تب سے دل کو ہر لمحے ایک عجیب سی الجھن لاحق رہتی ہے۔ پہلے میں ہر بات اماں اور فخر آپی کو بتادیا کرتی تھی مگر اب کچھ بھی بتانے کو جی نہیں چاہتا۔ جو بھی واقعہ ہوتا ہے دل اسے ہر لمحہ دہرانے کے باوجود بھی کسی کو بتانے کی جرات نہیں کر پاتا اور پتہ نہیں ایسا کیوں ہے؟

اور آج بھی بہت زیادہ الجھن کا شکار ہونے کے باوجود میرا دل فخر آپی اور ثمین باجی پہ اپنی الجھن کا آشکار کرنا نہیں چاہتا۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا۔ کچھ بھی ہوتا کوئی بھی خیال گزرتا میں انہیں ضرور بتاتی۔ مگر اب جبکہ دل کے ایک گوشے میں یہ خیال ہے کہ یہ سب غلط ہو رہا ہے اس کے باوجود میرا دل ایسا کرنے پر اصرار کررہا ہے۔

اور ابھی ہوا تو کچھ نہیں۔ لیکن اگر سوچا جائے تو بہت کچھ ہو چکا۔

آج پھر ابا نے مجھے شام میں دودھ لینے کے لیے بازار بھیج دیا۔ حالانکہ اماں نے انہیں دبے لفظوں میں منع بھی کیا کہ۔

"علی کے ابا عشاء اب بڑی ہو گئی ہے۔ اسے شام کے وقت بازار نہ بھیجا کرو۔ لوگ باتیں بناتے ہیں۔"

مگر ابا کا وہی ایک جواب "میری بیٹی ہے جہاں مرضی بھیجوں جسے اعتراض ہے وہ میرے سامنے کرے زبان نہ کھینچ لوں اس کی ہونہہ آئے بڑے اعتراض کرنے والے اگر ایسا ہی دریغ آتا ہے تو رکھوا دیں ایک نوکر نہیں بھیجوں گا بیٹی کو باہر" ابا کا دماغ حسب معمول گھوم گیا تھا۔

"علی کے ابا لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ بیٹی کا معاملہ ہے اور بیٹیوں کی عزت بہت نازک ہوتی ہے۔ آج کل کا وقت نہیں کہ بیٹی کو سرعام باہر نکالا جائے پھر عشاء نے ماشاءاللہ رنگ و روپ بھی تو خوب نکالا ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے یوں رات میں اسے مت بھیجا کرو علی ہے ناں اسے کہہ دیا کرو۔" اماں نے مشورہ دیا۔

"ایک تو تم ماں بیٹی کو علی بہت کھٹکتا ہے۔ سارا دن پڑھائی میں جتا رہتا ہے اب جو یہ دو گھڑی آرام کرتا ہے وہ بھی نہ کرنے دوں اور یوں بھی عشاء میری بیٹی ہے سب کو پتہ ہے کوئی اسے کچھ کہہ کر تو دیکھے زمین میں زندہ نہ گاڑ دوں تو کہنا۔" ابا نے مغرورانہ انداز میں کہا تھا جبکہ میرا دل چاہا کہ انہیں بیکری والے انکل کا قصہ سنا کر کہوں کہ جائیے اب اسے زندہ گاڑ دیں۔ لیکن مجھے علم تھا کہ ابا کچھ بھی نہیں کریں گے الٹا مجھے ہی الزام دیں گے۔ اگر انہیں اتنی ہی ہم سے محبت ہوتی تو پھر مجھے یوں تنہا بازار نہ بھیجا کرتے۔ سو میں چپ رہی۔

"علی کے ابا سب ٹھیک ہے مگر کسی کو بات کرنے کا موقع ہی کیوں دیا جائے۔ یوں بھی جب بیٹیاں بڑی ہو جائیں تو انہیں یوں سرعام باہر نہیں جانے دیا کرتے۔ بیٹیوں کو تو بہت چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔" اماں نے کہا تھا۔

"ایک تو میں تمہاری ان بے وقت کی راگنیوں سے

بہت تنگ ہوں۔ ہر وقت شروع ہی رہتی ہو بندہ باہر سے کھپ تپ کر آئے اور پھر آتے ہی تمہارے فلسفے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک بھی ہو تو اسے سنبھالوں یہاں تو سات سات ہیں شکر کروں گا جب یہ دفعان ہوں گی ہزار دفعہ کہا ہے کہ میرے سامنے ان کا ذکر نہ کیا کرو زہر سے بھی بری لگتی ہیں مجھے تمہاری یہ بیٹیاں اور کرتی کیا ہیں یہ سوائے روٹیاں توڑنے کے کون سی اپنی کمائی انہوں نے مجھے کھلائی ہے پلٹ کر پوچھنا تک تو گوارا نہیں ہوتا انہیں وہ جنہیں بیاہا ہے کیا آئی کبھی وہ پتہ کرنے کہ پچھلے زندہ بھی ہیں یا مر کھپ گئے بہت خیال آتا ہے تمہیں ان نمک حراموں کا ایک کام کیا کہہ دوں تمہارا لیکچر شروع ہو جاتا ہے اتنا ہی ہے تو تم لا دو جا کر مجھے دودھ۔" حسب معمول ابا کی تقریر شروع ہو چکی تھی جبکہ اماں چپ سادھے انہیں سن رہی تھیں۔

کبھی کبھی میں سوچتی کہ ہمارے اندر جو یہ بزدلانہ سی خاموشی چھپی بیٹھی ہے وہ ہمیں اماں سے ہی ورثے میں ملی ہے۔ تبھی تو کبھی ہم اپنے حق کے لیے ابا کے سامنے بول نہیں سکے۔

"ابا لائیے میں دودھ لا دوں۔"

ابا کو اس لمحے چپ کروانے کا مجھے یہی طریقہ سمجھ آیا تھا کہ جا کر چپ چاپ ان کا حکم بجا لاؤں۔

"یہ لو اور اب خراب دودھ نہ اٹھا لانا وہ چوک والے بٹ صاحب سے لانا۔" ابا نے پیسے نکال کر میری ہتھیلی میں تھمائے تھے۔ جبکہ میں اثبات میں سر ہلاتی باہر نکلی تھی۔

اور چونکہ میرے پاس زوار حسن کے پچاس روپے جمع ہو چکے تھے اس لیے وہ بھی میں نے ساتھ لے لیے خیال تھا کہ اگر وہ باہر مل گیا تو اسے دے دوں گی ورنہ پھر جب بھی ملے گا تبھی یہ قرض چکا دوں گی۔

اور شاید یہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ راستے میں ہی مل گیا۔

"خیریت اس وقت کہاں جا رہی ہو تم؟" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"وہ۔ میں یہ پیسے۔" میں ہکلائی تھی اور ڈول بے ساختہ میں نے کمر کے پیچھے کر لیا تھا۔

"یہ دوسرے ہاتھ میں کیا ہے؟" اس نے پیسے نظر انداز کرتے ہوئے میرے ڈول والے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ میں دودھ لانے جا رہی ہوں۔" میں نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا تھا۔

"کیا سوچے گا یہ کہ میں اتنی بڑی ہو کر دودھ لینے جا رہی ہوں۔" میرے دل نے سوچا تھا۔

"تم۔ تم دودھ لینے جا رہی ہو؟" حسب توقع اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"جی۔!"

"تم اندر بیٹھو۔ اور یہ برتن مجھے دو میں لا کر دیتا ہوں دودھ۔" اس نے عجیب تحکمانہ انداز میں کہا اور میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ جبکہ میں بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اندر چلو میں ابھی آتا ہوں باہر اس طرح کھڑے رہنا اچھی بات نہیں۔" اس نے کہا تو میں اسی سبز دروازے سے اندر آ گئی۔ جہاں وہ پہلی دفعہ مجھے ملا تھا۔

دروازے کے دائیں طرف جو پہلا کمرہ تھا میں اسی میں داخل ہو گئی۔ شاید ڈرائنگ روم تھا وہ۔ بہرحال ایک صوفے پر ٹکتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھوں پر نظریں جما دیں اور اس کے جلد آنے کی دعائیں کرنے لگی۔

پتہ نہیں میں نے اندر آ کر ٹھیک کیا یا نہیں؟ ذہن و دل میں الگ ادھیڑبن سی تھی۔

"ارے تم ایسے کیوں بیٹھی ہو جیسے ابھی بھاگ جاؤ گی؟" زوار حسن کی آواز پر میں نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"کیا ہوا کیا ڈر لگ رہا تھا؟" اس نے میرے اندر کی کیفیت گویا جانچی تھی۔

"جی۔!"

"کیوں۔؟"

''بس ایسے ہی۔'' اب میں اسے کیا بتاتی۔
''اتنی رات کو بازار جاتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟''
''لگتا ہے۔'' میں نے بتایا۔
''پھر کیوں جاتی ہو؟''
''میں تو نہیں جاتی ابا بھیجتے ہیں!''
''تمہارے ابا خود کیوں نہیں جاتے۔''
''وہ تھک جاتے ہیں ناں سارا دن کام کر کے اس لیے۔'' میں نے سادگی سے بتایا تھا۔
''تمہیں اپنے ابا سے ڈر لگتا ہے؟''
''ہوں۔''
''کیوں؟''
''پتہ نہیں۔'' میں نے جھوٹ بولتے ہوئے نظریں جھکائی تھیں۔
''اچھا ایسا ہے دن میں تو میں یہاں نہیں ہوتا ہاں البتہ رات میں اگر تمہارے ابا تمہیں بازار بھیجیں۔ تو تم میرے پاس آجانا۔ میں تمہیں چیز لا دیا کروں گا بازار سے۔'' اس نے کہا تھا۔
''کیوں۔؟''
''اچھا نہیں لگتا تمہارا اس طرح بازار جانا کیا تمہیں اچھا لگتا ہے؟''
''نہیں۔'' بے ساختہ میں نے کہا۔
''تو بس ٹھیک ہے میں تمہیں لا دیا کروں گا ٹھیک'' اس نے مہربان لہجے میں کہا تو بے ساختہ میرا سر اثبات میں ہل گیا۔
''گڈ اچھا اب یہ لو دودھ' اور گھر جاؤ۔'' اس نے ڈول مجھے تھمایا تھا۔
''یہ آپ کے پچاس روپے۔'' میں نے پچاس روپے اسے تھمائے تھے۔
''یہ کہاں سے آئے ابا نے دیے تھے کیا؟''
''نہیں۔''
''پھر۔؟''
''میں نے خود سے جمع کیے تھے!''
''اپنے جیب خرچ سے؟'' اس نے پوچھا تھا۔
''ہاں اور کچھ میری مس نے مجھے انعام میں دیے تھے اچھا ٹیسٹ کرنے پر۔'' میں نے بتایا۔
''مطلب یہ تمہارا انعام ہیں؟''
''ہوں۔''
''تو پھر یہ تم رکھ لو میں نہیں لوں گا۔''
''مگر میں نے آپ سے ادھار لیا تھا۔''
''میں تم سے بڑا ہوں ناں اور تمہارا دوست بھی اور دوستوں کے درمیان ادھار نہیں ہوتا' یہ تم رکھ لو مجھے ان کی ضرورت نہیں تمہارا انعام ہے' تم انہیں سنبھال کر رکھو۔'' اس نے خود سے ہی میرے ساتھ دوستی کا رشتہ جوڑتے ہوئے کہا اور پیسے مجھے تھمائے تھے۔
''مگر؟'' میں نے کہنا چاہا تھا۔
''اب کچھ نہیں' جلدی سے جاؤ تمہارے ابا انتظار کر رہے ہوں گے اور آئندہ کا دھیان رکھنا میں تمہیں بازار سے سامان لا دیا کروں گا' تم نے خود نہیں جانا ورنہ میں پٹائی کر دوں گا تمہاری۔'' اس نے مان بھرے انداز میں کہا تو میں مسکرا دی۔
اور اس وقت تو میں وہاں سے آ گئی تھی مگر اب اس وقت سے مسلسل یہ سوچ رہی ہوں کہ پتہ نہیں اس سے وعدہ کر کے میں نے اچھا کیا یا نہیں۔ عجیب سی الجھن میں دل مبتلا تھا۔ اور اس الجھن سے نکلنے کا فی الحال میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔
۲۵ اگست۔

میری زندگی میں اک کتاب ہے
اک چراغ ہے
اک خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں
میں چاہتا ہوں
تمہارے ساتھ سفر کروں
وہی کل اثاثہ زندگی ہے
اس کو زاد سفر کروں
میرے دل جادہ خوش خبر پہ
بجز تمہارے کبھی کسی کا گزر نہ ہو
مگر اس طرح کہ

تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو
اتنے بہت سے دن میں نے ڈائری نہیں لکھی تو عجیب سا لگ رہا ہے۔ مگر میں مصروف بھی تو بہت رہی ہوں۔ اسی لیے ڈائری لکھنے کا وقت ہی نہیں ملا دوسرے ان دنوں میں ایسی کوئی خاص بات ہی نہیں ہوئی جو میں ڈائری میں لکھ پاتی۔

بہرحال آج ڈائری لکھ رہی ہوں اسی وجہ سے کہ ایک تو پیپر ختم ہو گئے ہیں اور میں بالکل فارغ ہوں۔ دوسرے' دوسرے میں اپنی اس عزیز سہیلی سے ایک بہت خوب صورت سی بات شیئر کرنا چاہتی ہوں جسے حسب معمول میں کسی سے شیئر نہیں کر سکی۔

آج پہلی دفعہ میں نے رات ہونے کا شدت سے انتظار کیا۔ وہ بھی صرف اسی وجہ سے کہ میں اپنی ڈائری کو یہ بات بتانا چاہتی تھی کہ میں! اف میں کیسے لکھوں کیسے بتاؤں؟ آج ایک عجیب سی کیفیت میرے دل پر وارد ہو رہی ہے! ایسی کیفیت جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔

آج پھر میں زوار حسن آفندی سے ملی مگر آج میں اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس سے نہیں ٹکرائی تھی بلکہ ضرورت کا یہ تعلق آج سراسر زوار حسن آفندی سے جڑا تھا۔

آج اسکول سے میں حسب معمول ثنا کے ساتھ واپس آ رہی تھی کہ میں نے راستے میں زوار حسن آفندی کو دیکھا۔ سرخ چہرے اور بھاری پپوٹوں والی آنکھوں نے مجھے دور سے ہی احساس دلا دیا کہ آج اس کی طبیعت خراب تھی۔ ثنا کی وجہ سے میں نے اسے بلایا نہیں اور نہ ہی اس نے مجھے آواز دی۔ دل میں اگرچہ میں نے شکر ادا کیا کہ اس نے ثناء کے سامنے مجھ سے کوئی بات نہیں کی مگر ایک بے چینی سی میرے دل کو گھر آ کر بھی لاحق رہی تھی۔ بار بار دھیان اس کی طبیعت کی خرابی کی طرف جاتا رہا دل الگ ملامت کر رہا تھا کہ اپنی ضرورت تو میں اس سے پوری کروا لیتی تھی اور اب جب ایسے وقت میں اسے ضرورت ہے تو میں نظریں چرا کر اجنبی بن بیٹھی ہوں۔

اور شاید یہ دل کی ملامت کا ہی اثر تھا کہ میں اماں کو ثناء کے گھر کا کہہ کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔
"تم یہاں خیریت؟"
اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا تھا۔ گویا میرے وہاں آنے کا اسے یقین ہی نہ تھا۔
"جی میں' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"
"نہیں طبیعت ہی تو خراب ہے جو گھر پڑا ہوں وگرنہ میں اس وقت تو لائبریری میں ہوتا ہوں۔" اس نے بتایا۔
"آپ پڑھتے ہیں؟"
"ہوں اندر آجاؤ دروازے میں کھڑے ہو کر سوال جواب کرنا اچھا نہیں لگتا۔" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ تو میں اس کے ساتھ اندر چلی آئی۔
"کیا ہوا آپ کو؟" ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے میں نے پوچھا تھا۔
"بس وہی بخار اور زکام ساتھ میں گلا بھی پکڑا گیا ہے۔" اس نے بتایا۔
"ڈاکٹر کے پاس گئے تھے آپ؟"
"ہوں اس وقت ڈاکٹر کے پاس سے ہی آ رہا تھا۔ جب تم نے دیکھا تھا؟"
"کچھ کھایا ہے یا نہیں۔"
"صبح دودھ پیا تھا!"
"اور اب اس کے بعد؟" میں نے پوچھا۔
"کچھ نہیں ہمت ہی نہیں ہو رہی۔"
"میں لا دوں کچھ؟"
"کہاں سے؟"
"آپ کے کچن میں کچھ تو موجود ہو گا ناں؟"
"ہاں دودھ ہے یا پھر فریج میں سلائس ہوں گے۔" اس نے بتایا۔
"ٹھیک آپ بیٹھیں میں لے کر آتی ہوں؟"
میں نے کہا اور کچن کی طرف آ گئی ڈرائنگ روم کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے شاید کچن اور ڈائننگ دونوں کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ بہرحال میں نے فریج میں سے دودھ اور سلائس نکالے اور

گرم کر کے اندر لے آئی۔
"یہ لیں آپ۔" میں نے دودھ والا گلاس اس کے آگے رکھا تھا۔
"شکریہ۔"
"کس بات کا؟"
"یہ جو تم نے میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی اس کے لیے۔" اس نے سلائس دودھ میں ڈبوتے ہوئے کہا تھا۔
"لیکن ہم تو دوست ہیں ناں۔" میں نے اسے یاد دلایا تو وہ ہنس پڑا۔
"ہاں اور دوستی میں شکریہ اور معافی نہیں ہوتی۔"
"آپ کو پتہ ہے؟" میں نے شرارت سے پوچھا تو وہ ہنس دیا۔
"ارے تم شرارت بھی کر سکتی ہو۔"
"کیوں مجھے منع ہے!"
"نہیں لیکن مجھے تو وہی عشاء ہمیشہ ملتی رہی ہے جس کی آنکھوں میں ذرا سی بات پر آنسو جمع ہو جاتے ہیں۔" اس نے کہا تو میں شرمندہ سی ہو گئی۔
"ہاں مجھے رونا جلدی آ جاتا ہے۔"
"اور پتا ہے تم روتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو؟"
"کیا؟" میں اس کی منطق پر حیران ہوئی۔
"ہاں یقین کرو مگر ہنستے ہوئے اس سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہو۔" اس نے کہا تو میں جھینپ سی گئی۔
"اچھا آپ جلدی سے یہ ختم کریں اس کے بعد دوا کھانی ہے آپ نے۔" میں نے موضوع بدلا تھا۔ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی اس سے۔
"پتہ ہے عشاء جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا تو تم مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ رات کے اندھیرے میں تمہارا روتا بسورتا چہرہ اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں یقین کرو بہت دنوں تک میں اسی ایک منظر کو دہراتا رہا تھا۔ دل ہی دل میں چپکے چپکے پھر جب تم مجھے دوبارہ ملیں تو مجھے خیال گزرا کہ میں نے خود سے بھی چھپ کر تمہارے دوبارہ ملنے کی دعا کی تھی اور تمہیں یوں دوبارہ اپنے سامنے پا کر میرا دل کتنا خوش ہوا۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔
عشاء مجھے پتہ ہے کہ تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔ ہمارے درمیان سات آٹھ سال کا فرق ہے مگر سچ بتاؤں تمہیں سامنے پا کر مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ یاد رہتا ہے تو بس اتنا کہ میں تمہیں بار بار دیکھنا چاہتا ہوں اپنے پاس اپنے قریب بہت قریب!"
زوار حسن آفندی دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا جبکہ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی دھیرے دھیرے میرے دل کو مجھ ہی سے چرا رہا ہو۔
مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مجھ سے میری ہی کیفیات بیان کر رہا ہو وہ سب کچھ جو شاید میں خود کو بھی بتاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ زوار حسن آفندی انہیں گویائی دے رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

۵ ستمبر۔
زندہ احساس کا پیکر ہوں کوئی بت تو نہیں
سنگ برسا کر پوچھتے ہو کہ ٹوٹا کیا ہے؟
آج پھر میں بہت زیادہ ڈپریسڈ ہوں اور وجہ وہی ابا کا رویہ ہے۔ کبھی کبھی ابا اتنے اجنبی بن جاتے ہیں کہ لگتا ہی نہیں ان سے کوئی رشتہ یا تعلق ہے۔
ہمیشہ سے ہی وہ علی شیر کو ہم پر فوقیت دیتے رہے ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے اس رویے کے عادی ہوتے چلے گئے تھے۔ کوئی بھی پھل یا کوئی بھی نئی چیز آتی ہم اسے علی شیر کے لینے تک دیکھنے سے بھی احتراز کرتے۔ ذہنی طور پر ہم علی شیر کی اس برتری کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے۔ اس لیے علی شیر کے بارے میں ابا کا کیئرنگ رویہ ہمیں زیادہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔
لیکن اس دن جبکہ مجھے پورا یقین تھا کہ علی شیر کو سرزنش کی جائے گی ابا کا نارمل رویہ دیکھ کر مجھے سخت شاک سا لگا۔
ہمیشہ سے مجھے یہ احساس رہا تھا کہ علی شیر ابا کے دل کا وہ حساس علاقہ ہے جو ان کے پورے وجود پر حاوی رہا

ہے۔ مجھے علم تھا کہ سات بیٹیوں میں ایک بیٹے کو واقعی سورج سی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر ابا اس کا حد سے زیادہ خیال رکھتے ہیں تو کوئی بات نہیں یہ ایک فطری رویہ تھا۔ مجھے تو ان سے صرف یہ شکایت رہی تھی کہ وہ ہمیں اپنی بیٹیوں کو وہ جگہ بھی نہیں دے رہے تھے۔ جس کے لیے ہم ڈیزرو کرتی تھیں۔ اپنے لیے اپنائے گئے تحقیرانہ رویے پر مجھے ابا سے شکایت تھی۔

مجھے ہمیشہ سے یہ ہی احساس رہا ہے کہ میرے اور ابا کے درمیان خون کے رشتے کی بجائے شکایت کا رشتہ بندھا ہوا ہے اور آج یہ رشتہ مزید مضبوط ہو گیا ہے۔

بات کچھ بھی نہ تھی بس یہ تھا کہ ثنا نے آج اسکول میں مجھے بتایا تھا کہ علی شیر سگریٹ پیتا ہے اور بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ بقول اس کے اس نے خود علی شیر کو کارنر والی پان کی دکان پر چند آوارہ لڑکوں کے ساتھ بیٹھے اور پان و سگریٹ سے محظوظ ہوتے دیکھا ہے۔

ثنا کے یوں بتانے پر مجھے جو شرمندگی ہوئی۔ وہ تو الگ بات ہے۔ سارا دن میں اس سے چھپتی پھرتی رہی تھی۔ یوں جیسے یہ قبیح حرکات علی شیر سے نہیں بلکہ مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔

دوسری طرف مجھے پورا یقین تھا کہ ابا کے علم میں جب علی شیر کی یہ حرکات آئیں گی تو انہیں بھی میری طرح شاک لگے گا اور وہ علی شیر کو ضرور ڈانٹیں گے۔ مگر برعکس اس کے جب میں نے ابا کو بتایا تو وہ مجھ پر ہی چلانے لگے۔

"تمہیں تو ہمیشہ سے علی سے پرخاش رہی ہے کوئی موقع نہ جانے دینا تم اس پر الزام لگانے کا کیا میں اپنے بیٹے کو نہیں جانتا۔ کیا مجھے نہیں معلوم کہ باہر وہ کیا کرتا ہے؟ میں کیوں لوگوں کی باتوں پر کان دھروں۔ علی ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ ارے اسے تو پڑھائی سے ہی فرصت نہیں وہ کیوں یوں ٹکے ٹکے کی دکانوں پر بیٹھنے لگا اور تمہارا حوصلہ کیسے ہوا کہ تم بھائی کے بارے میں یوں بات سنو اور چپ رہو ارے آگے سے اس سے کہا نہیں جا سکتا تھا کہ میرا بھائی ایسا نہیں کر سکتا۔ یہاں تو خون ہی سفید ہو چکا ہے لو جی سہیلی نے بتلایا اور جی جان سے یقین کر لیا ایسی ہوتی ہیں کیا بہنیں؟ ارے پلٹ کر کہنے والے کی زبان کیوں نہیں گدی سے کھینچ لی تم نے؟" ابا نے الٹا مجھے ہی رگید ڈالا تھا۔

"ابا آپ علی سے تو پوچھ لیں۔" فجر آپی نے ہمت کر کے کہا تھا۔

"ارے علی سے کیوں پوچھوں؟ جب مجھے خود اپنے بیٹے پر اعتبار ہے تو میں کیوں عدالتیں لگاتا پھروں! ارے میں باپ ہوں علی کا میں اسے نہیں جانوں گا تو اور کون جانے گا۔؟ میں کیوں تحقیق و تفتیش میں پڑ کر اپنے بچے کا ذہن خراب کروں ارے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ جو وہ سگریٹ پینا شروع کر دے گا یہ سب بس تم لوگوں کی لگائی بجھائی ہے اور بس آج کے بعد اگر تم لوگوں نے علی پر اس قسم کا گھٹیا الزام لگایا تو نہ مجھ سے کوئی تعلق رکھنا اور نہ اس گھر سے سن لیا جس نے اس گھر میں رہنا ہے وہ علی کے متعلق فضول گوئی سے پرہیز کرے وگرنہ اپنا انتظام کہیں اور کر لے۔" ابا کے دوٹوک انداز نے میرے ساتھ اماں اور دوسرے لوگوں کو بھی ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔

میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں پتہ نہیں وہ شرمندگی زیادہ اذیت ناک تھی جو ثنا کے سامنے میں نے سہی یا یہ جو ابا کے لفظوں نے وجود میں اتاری تھی میں سمجھ نہیں پا رہی۔

♥ ♡ ♡ ♥

۱۵ ستمبر۔

خوشیوں کے چند تنکے چن کر
ان سے سائباں بنائیں
کچھ خواہشوں کی لیپ دیوار پر
کچھ خواب کھڑکیوں پر سجائیں
آؤ اک گھر بنائیں!
خوشبوئیں چرا کر گلشن سے

اپنے گھر آنگن میں بکھرائیں
ستارے ٹانک کر اپنے گھر میں
چاند کو مہمان بنائیں
آؤ اک گھر بنائیں
تم گھر میں بن جاؤ اک بیج
اور میں بن جاؤں کھاد
ہم دونوں سے اک پھول کھلے
جس کو ہوائیں چومنے آئیں
خوشیوں کے چند تنکے چن کر
آؤ اک گھر بنائیں!

گوجرانوالہ سے عرفات لالہ اچانک ہی آ گئے تھے ساتھ میں بڑی خالہ بھی تھیں۔ ابا کی وجہ سے اماں کے بہن بھائی ہمارے ہاں کم کم ہی آیا کرتے تھے۔ وجہ ابا کا رویہ تھا جو اپنے اندر اتنی تلخی لیے ہوتا کہ بندہ ملنے سے پہلے دس دفعہ تو ضرور سوچتا۔ پتہ نہیں ابا کیوں اتنے تلخ مزاج تھے۔ مجھے سمجھ نہ آئی بہرحال اس دفعہ جہاں بڑی خالہ کا آنا باعث حیرت تھا وہیں انہوں نے عرفات لالہ کے لیے ثمین باجی کو مانگ کر ایک دھماکہ سا کر دیا تھا۔ اماں سمیت ہم سب ہی حیران تھے۔

عرفات لالہ بہت سلجھے ہوئے اور سوبر سے بندے تھے۔ حال ہی میں اپنا ایم بی اے مکمل کر کے انہوں نے خالو کا بزنس سنبھالا تھا۔ بقول فجر آپی کے ان میں ہر خوبی تھی اور اگر خالہ چاہتیں تو عرفات لالہ کے لیے انہیں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی تھی۔ مگر انہوں نے ثمین باجی کو مانگ کر ہمیں حیران سا کر دیا تھا۔ اماں تو ثمین باجی کی اتنی اچھی قسمت کا سوچ کر ہی بہت خوش تھیں۔ رہے ابا تو انہیں بس یہ خوشی تھی کہ ان کا ایک اور بوجھ بغیر تردد کے ان کے کندھوں سے اتر رہا تھا۔ سو اسی خوشی کی بدولت آج کل گھر میں ان کی آؤ بھگت بھی کی جا رہی تھی۔

مجھے ہمیشہ سے عرفات لالہ بہت اچھا لگا کرتے تھے۔ دھیمے لہجے میں ہر بات کو بہت توجہ سے سننے والے عرفات لالہ کے ساتھ اتنے خوب صورت رشتے کا سوچ کر ہی میں بہت خوش تھی اور اپنی اس خوشی کو شیئر کرنے کے لیے میں بے اختیار زوار حسن آفندی کے پاس چلی آئی تھی اور پتہ نہیں کیا بات تھی کہ کوئی بھی خوشی کی خبر ہوتی یا کوئی بہت دکھ دینے والا واقعہ ہوتا۔ میرا دل ہمیشہ زوار حسن آفندی سے شیئر کرنے کو چاہتا۔ فوراً" سے پیشتر میرے ذہن میں اس کا نام لہراتا اور جب تک میں اس سے شیئر نہ کر لیتی مجھے چین ہی نہ آتا پتہ نہیں کیوں وہ میرے لیے اس قدر اہم ہو گیا تھا میں نہیں جانتی۔ جانتی ہوں تو بس اتنا کہ اب اس کے سوا مجھے کوئی اچھا نہیں لگتا۔ اپنا آپ بھی نہیں۔

وہ بھی تو مجھے کتنا اہم جانتا ہے۔ میری ہر بات اتنی توجہ سے سنتا۔ گویا اس سے اہم کوئی بات ہی نہ ہو میرے چلے جانے پر اپنا ہر کام چھوڑ کر بس مجھے سنتا۔ مجھے دیکھتا تھا اور اس وقت بھی تو یہ ہی ہوا تھا۔ میں جیسے ہی اس کے سامنے گئی بے اختیار اس نے کہا تھا۔

"شکر ہے تم آ گئیں۔ میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔"

"خیریت؟"

"خیریت ہی ہے بس دل نہیں لگتا تمہارے بنا۔"

اس نے کہا تو میں شرما سی گئی۔

"کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔" اس نے پوچھا تھا۔

"ہوں مگر آپ کو کیسے پتہ چلا؟" میں حیران ہوئی۔

"تمہارے چہرے کی چمک بتا رہی ہے۔" اس نے میرے رخسار کو چھوتے ہوئے کہا تو میں بے اختیار نظریں جھکا گئی۔

"پلیز یوں مت کیا کریں۔"

"کیوں بھئی، تم۔۔۔ عشاء تم ساری کی ساری میری ہو میں جو مرضی آئے کروں تم روکنے والی کون ہوتی ہو؟"

اس نے مان بھرے لہجے میں کہا تو میں چپ سی ہو گئی۔ پتہ نہیں اس کے سامنے کیوں میں کچھ کہہ نہیں پاتی تھی۔ بس خاموشی سے سنتی رہتی۔ وہ باتیں بھی تو بڑی دیوانگی اور شدت بھری کرتا تھا دل کرتا کہ بس اسے سنتی رہوں اور پور پور اس کی شدت سے بھیگتی

رہوں۔

"پتہ ہے عشاء، تم نے مجھے بالکل دیوانہ کر دیا ہے میں ایسا تو نہیں تھا اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ بس میں تمہیں دیکھوں تمہیں سنوں تمہیں سوچوں اور بس تمہیں پتہ ہے عشاء تمہارے چہرے پر کتنی ملاحت ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس ملاحت کو چھو کر محسوس کروں تمہارا یہ حیا سے گلابی ہوتا چہرہ میرا دل کرتا ہے اسے اپنے اندر کہیں چھپا لوں اور تمہارے یہ ہاتھ عشاء کیا تم مجھے اپنے یہ ہاتھ دے سکتی ہو میں انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اپنے قریب اپنے دل میں جب میں انہیں چھوتا ہوں ناں، تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے ڈھیر سارے ریشم میرے ہاتھوں میں آسمائے ہوں اف عشاء تم مجھ سے اتنی دور کیوں ہو میری بن جاؤ ناں!"

زوار حسن آفندی کی دیوانگیاں میرے دل کو بے قرار کرنے لگی تھیں۔

"پلیز زوار مت کریں اس طرح سے۔" میں نے اس کی دیوانگیوں پر بند سا باندھا تھا "پتہ ہے آج میں بہت خوش ہوں آپ پوچھیں گے نہیں کیوں؟"

"کیوں خوش ہو؟" وہ بدستور میرے ہاتھ تھامے بولا تھا۔

"عرفات لالہ اور ثمین باجی کی شادی طے ہو گئی ہے۔"

"اچھا کب؟"

"فجر آپی کے ساتھ ہی اکتوبر کے پہلے ہفتے میں!"

"ہوں مطلب اس کے بعد تمہاری باری ہے ہے ناں۔" معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"پلیز زوار" میں بے اختیار شرما گئی تھی اور پتا نہیں زوار حسن کیسی نظروں سے مجھے دیکھتا تھا کہ میرے اندر تک پھول سے کھل اٹھتے تھے۔

"یوں مت شرمایا کرو۔ میں کسی دن اپنا ضبط کھو دوں گا۔"

"تو آپ یوں مت دیکھا کریں مجھے!"

"پھر کیسے دیکھا کروں میری چیز ہو جیسے مرضی دیکھوں تم کیوں منع کر رہی ہو۔" اس کے مان بھرے انداز پر میں خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

"میں اب جاؤں۔"

"مجھے تمہاری ایک یہ بات بہت بری لگتی ہے آتی بعد میں ہو جانے کی جلدی پہلے پڑ جاتی ہے تمہیں۔"

"کیا کروں، ابا غصہ ہوتے ہیں، اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنے پر۔"

"اور خود جو تمہیں باہر بھیجتے ہیں تب غصہ نہیں ہوتے۔"

"زوار، آپ بھی۔" میں نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

"سوری یار، بس مجھے اچھا نہیں لگتا جب وہ تمہیں ذرا ذرا سی چیز لینے باہر بھیجتے ہیں، میرا دل کرتا ہے کہ میں ان سے جا کر بہت لڑوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لوں تاکہ پھر وہ تم پر رعب نہ ڈال سکیں میرے پاس رہو گی ناں۔"

"ہوں۔"

"ہمیشہ کے لیے۔"

"جی، اب جاؤں۔" میں نے اس کی شدتوں پر گھبرا کر پوچھا تھا۔

"جانے کی بات مت کیا کرو۔ میرا دل نہیں بھرتا۔"

"مگر جانا تو ہوتا ہے ناں مجھے۔" میں نے سمجھایا۔

"ہاں یہ تو ہے، چلو جلد ہی اس کا بھی انتظام کرتے ہیں۔" اس نے کہا تو میں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بے اختیار ہی باہر نکل آئی تھی۔

زوار حسن آفندی کے ساتھ زندگی کتنی سہل ہو جائے گی۔ کیا اتنی محبتوں کے بعد بھی زندگی گزارنا مشکل ہو گا نہیں بالکل نہیں میرے دل نے کہا تھا۔

آج کا دن سب دنوں سے زیادہ اچھا تھا شاید اس لیے کہ زوار حسن آفندی نے مجھے ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کا عہد کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

۲۹ نومبر۔

دل نے تجھے عادت ہی بنا ڈالا ہے جاناں
تیرے بنا اب اپنا گزارا ہی نہیں ہے

کل زوار حسن آفندی اپنے گھر جا رہا تھا۔ دراصل یہاں وہ نہ صرف تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آیا تھا بلکہ اپنا بزنس بھی اسٹیبلش کرنے آیا تھا اور اب جبکہ وہ کافی حد تک اپنے قدم جما چکا تھا تو اب اپنی فیملی کو مستقل طور پر یہاں شفٹ کرنا چاہتا تھا۔ بقول اس کے گلبرگ میں اس نے اپنا گھر بھی خرید لیا تھا اور جب اس نے مجھے یہ بتایا تھا تو میں نے بے ساختہ گھبرا کر پوچھا تھا۔

"تو کیا آپ یہاں سے چلے جائیں گے؟"

"ابھی کہاں ابھی تو ڈیڑھ ماہ لگے گا۔ سیالکوٹ سے یہاں ایک دم تو شفٹ نہیں ہوا جا سکتا۔ پھر ابھی گھر بھی ڈیکوریٹ کرنا ہے۔ ابھی تو بڑے بکھیڑے ہیں مگر تم کیوں گھبرا رہی ہو؟" اس نے پوچھا تھا۔

"آپ کے بغیر میں کیسے رہوں گی؟"

"بھئی میرے بغیر کیوں؟ تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔ ماما ڈیڈی کو اسی لیے تو یہاں لے کر آ رہا ہوں کہ وہ تمہارے ابا سے میرے لیے تم کو مانگ سکیں ٹھیک ہے ناں!" اس نے کہا تو میں نے سر جھکا لیا۔

"پتہ ہے عشاء وہ جو گھر میں نے لیا ہے۔ وہاں میں نے تمہارا کمرہ پہلے سے ہی سلیکٹ کر لیا ہے تمہیں پھول پسند ہیں ناں میں تمہارے کمرے میں ڈھیر سارے پھول سجاؤں گا۔ جب تم پہلی بار وہاں جاؤ گی تو ہر طرف بس پھول ہی پھول تمہارا استقبال کریں گے' عشاء تم میرے ساتھ خوش رہ لو گی ناں میری شدتوں سے گھبرا تو نہیں جاؤ گی تم۔" زوار حسن آفندی نے پوچھا تھا۔

"آپ خوش رکھیں گے؟" میں نے جواباً پوچھا تھا۔

"ہوں!"

"تو پھر میں آپ کے ساتھ خوش رہوں گی؟" میں نے جواب دیا تھا۔

"بہت چالاک ہو تم' میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاتی ہو بھی کبھی میں سوچتا ہوں تم وہ عشاء تو نہیں ہو جو مجھے بیچ گلی میں دھواں دھار روتی ہوئی ملی تھی اور جو ذرا سی بات پر سہم اٹھتی تھی یہ تو کوئی اور ہی عشاء ہے! شرارتی' باتونی اور کچھ کچھ احمق سی۔" اس نے شرارت سے میری ناک دبائی تھی۔

"احمق کیوں؟" میں چلائی تھی۔

"ہاں تو احمق ہو ناں تم۔ جو زیادہ بولتا ہے وہ احمق ہی تو ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں زیادہ بولتی ہوں...؟"

"ہوں۔"

"کیا ذرا پھر سے کہیں؟"

"ہاں بھئی تم زیادہ بولتی ہو مگر اچھی لگتی ہو تم مینا ہو ناں میری' ڈھیر ساری باتیں کرنے والی تمہاری وجہ سے تو یہاں رونق ہے' ہے ناں!"

"آپ بات بدل گئے ہیں۔"

"نہیں' بات نہیں بدلی سچ کہا ہے تمہاری قسم۔" اس نے نثار ہوتے والی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

"اچھا واپس کب آئیں گے آپ؟" میں نے حسب معمول اسے پٹری سے اترتے دیکھ کر موضوع بدلا تھا۔

"کہاں سے؟"

"سیالکوٹ سے اور کہاں سے؟"

"اچھا میں سمجھا تمہارے دل سے تو وہاں سے تو واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔"

"نہیں ہے ناں!" وہ شوخ ہوا۔

"پلیز زوار میں نے کچھ پوچھا ہے۔"

"اچھا بھئی بتا دیتا ہوں تقریباً پندرہ دن لگ جائیں گے ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"میرا دل نہیں لگے گا۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا تھا۔

"میرا خود دل نہیں لگے گا۔ مگر جانا ضروری ہے دراصل وہاں بھی کافی کام وائنڈ اپ کرنے والے ہیں اس لیے اتنے دن تو لگ جائیں گے۔ مگر میں کوشش

کروں گا کہ جلد آسکوں تم گھبرانا نہیں ٹھیک۔" اس نے مجھے تسلی دی تھی۔

"ٹھیک۔!" میں نے سرہلایا تھا۔

"آج رات آؤ گی ملنے۔" اس نے پوچھا تھا۔

"رات میں۔؟"

"ہوں صبح تو میں نکل جاؤں گا میرا دل کر رہا ہے کہ میں تم سے بہت ڈھیر ساری باتیں کروں۔" اس نے گویا میرے دل کا حال بیان کیا تھا۔

"لیکن رات کو آنا مشکل ہوگا میرے لیے فجر آپی اور شمین باجی نہیں ہیں ناں اب اس لیے۔"

"کوئی بہانہ کر دینا۔"

"پھر بھی اماں نہیں نکلنے دیتیں۔"

"اچھا پھر کسی بھی وقت آجانا' جب تمہیں موقع ملے میں انتظار کروں گا۔" اس نے کہا تو میں نے اثبات میں سرہلا دیا۔

اور اب اس وقت سے میں سوچ رہی ہوں کہ اماں سے کیا بہانہ کروں کہ وہ مجھے جانے دیں۔ زوار حسن آفندی میں جانے ایسی کونسی طلسماتی کشش تھی کہ اس کے لیے میں اماں سے بھی جھوٹ بولنے پر اپنے دل کو آمادہ پاتی تھی۔ مجھے یوں لگتا جیسے اس نے مجھ پر کوئی سحر پھونک دیا ہو تبھی تو ایک اس کے علاوہ مجھے کوئی یاد ہی نہیں رہتا تھا مجھے یوں لگتا جیسے وہ کوئی عامل ہو اور میں معمول وہ جو بھی کہتا۔ میرا دل اسی لے پر دھڑکنا شروع کر دیتا۔

عجیب ساحر شخص تھا یہ زوار حسن آفندی بھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

۸ دسمبر۔

کسی ہاتھ نے کسی لوح پر جو نہیں لکھا
وہی ایک حرف گماں ہیں ہم
خط گم شدہ میں لکھی گئی
کوئی اجنبی سی زباں ہیں ہم
کسی اور خط و در پر جو گزر گیا
اسی وقت کی تگ و تاز کا
کوئی بے نشاں سا نشاں ہیں ہم
کبھی اپنے ہونے کے واہمے سے نکل کے دنیا کو دیکھیے
تو نہ کھل سکے کہ کہاں ہیں ہم
مری جاں' ہماری یہ داستاں
اسی آسماں کی چھت تلے
ان ہی کہکشاؤں کے درمیاں
کئی لاکھ بار کہی گئی' کئی لاکھ بار سنی گئی
یہ حدیث نغمہ بے صدا
کبھی سرخ پھولوں کی تیز خوشبو میں رک گئی
کبھی آنسوؤں میں رواں ہوئی
یہ وہ شمع وصال ہے جو تمام رات جلی کبھی
کبھی ایک پل میں دھواں ہوئی
کبھی روشنی کا یقین بنی' کبھی تیرگی کا گماں ہوئی
تو جو ہو گیا اسے مان لے
کہ یہ داغ وہ ہیں جو سات بحروں کے پانیوں سے نہ دھل سکیں
کہ ایک تیرے نہ ماننے سے
یہ شہر بھر کی عمارتوں پر جو جلتے بجھتے حروف پہنے
شکستہ وعدے لٹک رہے ہیں
نہ جڑ سکیں گے نہ چھپ سکیں گے
ہوا کے رستے میں اڑنے والے اداس پتے
نہ رک سکے ہیں نہ رک سکیں گے
تو جو ہو گیا اسے مان لے

۲۵ دسمبر۔

کیا لکھوں اب میں؟ اب تو لکھنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔ کچھ بھی تو میرے ہاتھ میں نہیں۔

وہ سارے جگنو۔ تتلیاں ستارے اور پھول جن سے کبھی میرے دل آنگن میں روشنیاں بکھری تھیں جانے کیسے اور کیونکر میرے ہاتھوں سے پھسل گئیں۔

اب تو دل کی طرح آنکھ اور ہاتھ بھی خالی ہیں۔

پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔ کیسے لمحے تھے۔ کیا پل تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا میری مٹھی میں ہو رنگ' پھول' خوشبو' ہوا' بادل کونسی چیز تھی جو دسترس میں نہ تھی۔ ایک زوار حسن آفندی

کی محبت کیا ملی تھی یوں لگتا تھا جیسے سب کچھ مل گیا ہو مگر مگر پھر کیا ہوا؟ کیسے سب کچھ میری مٹھی سے نکل گیا سوچتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔

بس ایک لمحہ ایک پل!

کتنی بڑی دنیا تھی میرے پاس۔ اور کھونے میں آئی تو محض ایک پل لگا اور سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا' کاش' اے کاش اس رات میں زوار حسن آفندی سے ملنے نہ جاتی۔! اس کی بات نہ مانتی تو شاید آج یوں اس حال میں نہ ہوتی۔

مجھے یاد آ رہا ہے کہ اماں کہا کرتی تھیں جب کوئی کام ہونا ہوتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے بعد میں بندہ بس کاش اور اگر مگر کرتا رہ جاتا ہے اور شاید وہ ٹھیک کہتی تھیں میرے ساتھ ایسا ہونا ہی تھا اور ہو گیا ورنہ پہلے بھی میں زوار حسن آفندی سے ملنے جاتی تھی۔ لیکن نہ ابا کو کبھی خبر ہوئی نہ اماں کو۔

اور' اور زوار حسن آفندی بھی تو ایک حد تک رہتا تھا مگر اس دن جانے کیا ہوا؟ مجھے سمجھ نہیں آیا یاد ہے تو بس اتنا کہ زوار حسن آفندی مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کچھ وعدے اور عہد و پیماں باندھ رہا تھا مگر مجھے سب لفظ سننے کے باوجود یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا یوں جیسے دماغ اور باقی جسم کا رشتہ ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گیا ہو۔

اور اس لمحے جب وہ مجھے اپنے گھر کے گیٹ سے رخصت کر رہا تھا بدقسمتی سے ابا مجھے نظر آ گئے اور ان پر نظر پڑتے ہی میرے حواس گویا چونک سے اٹھے تھے میں بے ساختہ زوار حسن آفندی کے پیچھے جا چھپی تھی۔

"زوار۔ ابا!" میں نے خود کو کہتے سنا تھا پھر اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا کہ کیا ہوا ہوش آیا تو میں اپنے گھر میں تھی اور اماں میرے قریب ہی بیٹھی رو رہی تھیں۔

"اماں۔!" میں نے خشک ہونٹوں سے انہیں دھیمی سی صدا دی تھی۔

"مت کہو مجھے اماں۔ نہیں ہو تم میری بیٹی' عمر بھر کی کمائی تم نے میری ضائع کر کے رکھ دی ہے عمروں کی شرمندگی تم نے میری جھولی میں ڈال دی ہے کاش تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تمہارے ابا ٹھیک ہی کہتے تھے تم لوگ واقعی عذاب ہو میں ہی نہیں سمجھی میں ہر دفعہ انہیں ہی جھٹلاتی تھی کہتی تھی کیا ہے جو زیادہ ہیں مگر بیٹیاں بیٹوں سے زیادہ خیال رکھنے والی ہوتی ہیں اور تم ۔ تم نے کیا کیا؟ عمر بھر کے لیے مجھے ان کے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے ایسی سیاہی ہمارے چہروں پر مل دی ہے کہ اب دنیا کا سامنا کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ ارے جنم جلی! یہ سب کرنا تھا تو پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تم۔ کم از کم ہمیں تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا ارے میرے اللہ میں کیا کروں؟ مجھے تو کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا اس لڑکی نے۔" اماں جو ہمیشہ چپ رہتی تھیں آج اس طرح برسیں تھیں کہ میں حیران رہ گئی۔

اور میرے اندر کہیں شاید اپنے گناہ کا احساس چھپا تھا۔ تبھی تو میں چپ رہی تھی اپنی بے اختیاری اور گناہ گاری کے اسی احساس کی وجہ سے میں اس وقت اماں کو بھی چپ نہ کرا رہی تھی جو اب دوپٹہ منہ پر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

"اماں' آپ پھر رو رہی ہیں' میں نے منع کیا تھا ناں آپ کو رونے سے گزرے لمحوں کی سیاہی ختم نہیں ہو جائے گی بس کریں یہ رونا دھونا اب" اسی لمحے تحسین باجی اندر آئیں تو اماں کو روتے دیکھ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"تحسین باجی آپ' آپ کب آئیں؟" انہیں دیکھ کر بے ساختہ میں نے پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے میرے سوال کو شاید سنا نہیں یا ان سنا کر دیا بہر حال وہ اماں ہی میں مصروف رہیں۔

اور اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں محض ایک لمحے کی "کمزوری" کے عوض اپنا سب کچھ کھو چکی ہوں ابا کا تو کہنا ہی کیا اماں اور بہنوں کی محبتیں بھی میرے ہاتھ سے نکل چکی تھیں۔ محض ایک زوار حسن آفندی کی محبت کی چاہ میں اس لمحے مجھے پہلی دفعہ

احساس ہوا کہ میں نے کتنا گھاٹے کا سودا کیا تھا' اپنے ہی گھر میں میں گویا اچھوت بن کر رہ گئی تھی۔ بہرحال میں نے یہ سب سہنا تھا کہ غلطی میری تھی میں نے اپنے دل کو سمجھایا تھا۔

اور پتہ نہیں زوار حسن آفندی کا کیا ہوا؟ میرے دل نے اس لمحے اس کے بارے میں سوچا تھا حالانکہ اب مجھے اس کو سوچنے کا کوئی حق نہیں رہا تھا۔

یہ زوار حسن آفندی ہی تھا جس کی وجہ سے میرے گھر والے خود میرے لیے اجنبی ہو کر رہ گئے تھے۔ میرے کسی بھی سوال کا کوئی بھی جواب نہیں دیا جا رہا تھا۔ یوں جیسے میں کسی گونگے بہروں کے دیس میں چلی آئی ہوں۔

اور اس وقت بھی جب میں خاموش بیٹھی اپنی خطاؤں کو شمار کر رہی تھی کہ ثمین باجی چلی آئیں۔

"ٹھیک طرح سے یہ دوپٹہ اوڑھ لو ابھی ابا مولوی صاحب کے ساتھ آ رہے ہیں انہیں تمہارا چہرہ نظر نہیں آنا چاہیے۔"

"کیوں... میرا مطلب ہے مولوی صاحب کیوں آ رہے ہیں؟"

"تمہارا نکاح ہو رہا ہے زوار حسن آفندی کے ساتھ۔"

"میرا نکاح زوار سے مگر کیسے؟" بے ساختہ سوال میرے لبوں سے پھسلے تھے۔

جو کارنامہ تم نے سر انجام دیا تھا اس کے بعد تو یہ سب بمشکل ہی تھا مگر ابا کی سختی کام آ گئی جو آج تمہارا نکاح زوار سے ہو رہا ہے ورنہ وہ بندہ تو جان چھڑا کر بھاگ رہا تھا" ثمین باجی نے سرد سے انداز میں بتایا تھا اور مجھے دوبارہ دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔

پھر اس کے بعد کب مولوی صاحب آئے اور کس طرح میں نے رضامندی دی' وہ سب الگ تفصیل ہے مجھے بس یہ یاد ہے کہ مولوی صاحب کے ہمراہ عرفات لالہ کو دیکھ کر شرمندگی کی نئی لہر میرے اندر اٹھی تھی۔

"اف میرے خدایا میری ایک ذرا سی بے اختیاری نے میری اپنی بہنوں کے لیے بھی کتنے گڑھے کھود دیے ہیں کوئی کیا جانے؟ ایک لمحے کی بے اختیاری کے اتنے عذاب؟"

دکھوں اور شرمندگیوں کے نئے در میرے لیے وا ہو رہے تھے۔

اک برس کے عرصے میں
چار چھ ملاقاتیں
شام کی حویلی میں
صبح کے مہکنے کی بے یقین سی باتیں
کچھ عذاب ماضی کے
گفتگو کا موضوع تھے
کچھ سوال خوابوں کے
کچھ جواب آنکھوں کے
مشترک سے جذبوں کے
آئینوں میں دیکھے تھے
آئینے تو سچے تھے
اور وہ ملاقاتیں
چار چھ ملاقاتیں
جن میں تیری باتوں کی
بارشوں کے موسم نے
جتنے جھوٹ بولے تھے
شام کی حویلی میں
جتنے زہر گھولے تھے
تیرا بے وفا لہجہ
دھیان میں جب آتا ہے
تب سوال کرتی ہیں
میری عمر کی راتیں
اک برس کے عرصے میں
چار چھ ملاقاتیں!

نیلی بدرنگ اور پیلے صفحوں والی وہ ڈائری ختم ہو چکی تھی مگر اس کے ذہن میں بہت سے نشان چھوڑتے ہوئے!

وہ رحل حسن آفندی اس ڈائری کی بدولت اگرچہ اسے بہت سے سوالوں کے جواب مل چکے تھے' اپنے

digestlibrary.com

باپ کا سراغ اسے مل چکا تھا اپنی ماں کی خاموشیوں کا رازوہ حل کر چکی تھی۔ اس کی جھکی آنکھوں میں لرزتے اندیشوں کی پرچھائیاں اس پر واضح ہو چکی تھیں اپنی ماں کے سارے ڈر سارے وہم اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے تھے مگر اس کے ساتھ ہی اپنی ذات کا مان' اپنے وجود کا فخر دور کہیں اندھیروں میں کھو گیا تھا شاید انہی اندھیروں میں جن سے اس کا وجود دنیا میں آیا تھا۔

"اف میرے خدایا میں کسے موردِ الزام ٹھہراؤں؟
اپنے باپ کو!
اپنی ماں کو۔
یا اپنی ماں کے باپ کو!
اصل گناہ گار کون ہے؟ میرا اصل مجرم مجھ سے میری ہی ذات کا فخر چھیننے والا' کون ہے؟ کس کے ہاتھوں پر سیاہی کے وہ دھبے تلاش کروں۔ جنہوں نے میرے پورے وجود کو سیاہ کر کے رکھ دیا ہے۔۔۔!"

دکھتے ہوئے ذہن کے ساتھ رحل حسن آفندی نے سوچا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"رحل بیٹا کیا کر رہی ہو آپ؟"

جانے کتنی صدیاں بیتی تھیں اسے اپنے سوالوں کے جواب تلاشتے۔ دکھتے سر کے ساتھ اس نے پتہ نہیں کتنے قرن سوچتے گزارے تھے اسے یاد نہیں ہاں البتہ لالہ جی کی آواز سن کر اسے یوں لگا تھا جیسے ایک عرصہ بعد ان کی آواز سنی ہو جیسے ایک عرصہ بعد دوبارہ اس ماحول میں اس کی واپسی ہوئی ہو۔

"جی لالہ جی۔" اس نے کہا اور کمرے کا بولٹ گرا دیا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ کھانا نہیں کھانا کیا؟ صبح کا ناشتا بھی تم نے نہیں کیا اب کھانے کے ٹائم پر بھی باہر نہیں آئیں۔" لالہ جی نے اپنے مخصوص پیار بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

"جی نہیں چاہ رہا لالہ جی۔" دھیمے بھرائے ہوئے لہجے میں اس نے جواب دیا تھا۔

"رحل بیٹا۔" انہوں نے اسے پکارا تھا اور اس کو اپنی طرف متوجہ پا کر اپنی بات آگے بڑھائی تھی۔

"جو کچھ گزر چکا اسے دل پر مت لو بس یہ سوچو کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ جس سے دل دکھتا ہے۔ مگر اس وقت ان لوگوں کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ جو ہمارے اردگرد رہتے ہیں اور ہمیں چاہتے ہیں یوں کہ صرف ہمارا ہونا ہی انہیں زندگی کی علامت لگتا ہے۔

رحل بیٹا کیا تمہارے اردگرد تمہیں ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو صرف تمہیں موجود پا کر خوش ہوتے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہاری اماں' ابوہریرہ تمہاری مامی ہم سب تمہیں کتنا چاہتے ہیں پھر یوں اداس ہونے سے کیا فائدہ؟

بیٹا میں ہوں ناں' بس یہ سوچو جتنے دکھ ہیں تم مجھے دے دو۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا کسی سے خوفزدہ نہیں ہو۔ میں تمہارا باپ نہیں ہوں مگر کیا میں نے تمہیں باپ کی طرح نہیں پالا؟ کیا میرے ہوتے ہوئے تم نے کہیں کوئی محرومی محسوس کی؟ نہیں ناں' تو پھر اب کیوں خوفزدہ ہو رہی ہو کون سی چیز تمہیں دکھ دے رہی ہے؟ کیا میں نہیں ہوں؟ رحل بیٹا سب پریشانیاں جھٹک دو بس یہ سوچو کہ اس سارے قصے میں تمہارا کوئی قصور نہیں اور خدا بے قصور لوگوں پر ظلم نہیں کرتا تم بس یہ سوچو کہ اوپر خدا ہے اور نیچے میں کوئی تمہیں کچھ کہے خواہ وہ میری اپنی اولاد کیوں نہ ہو میں اسے جواب دوں گا میں تمہاری ڈھال بنوں گا بس تم پریشان نہ ہو یوں اداس مت ہو ٹھیک۔"

لالہ جی نے محبت بھرے لہجے میں اسے یقین دلایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور لالہ جی نے بھی اسے رونے دیا شاید یہ سوچ کر کہ اس طرح اندر کا بوجھ ہلکا ہو گا۔ لیکن جب اس کے رونے کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تو انہوں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"رحل' بیٹا یوں نہیں روؤ بس اب چپ کرو شاباش بری بات روتے نہیں۔" انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

"لالہ جی" ہچکیوں کے درمیان اس نے انہیں پکارا تھا۔

"کیا بات ہے لالہ کی جان۔"

"لالہ جی اماں نے ایسا کیوں کیا؟"

"بیٹا۔ ان کا کوئی قصور نہیں ظاہری بات ہے کہ انسان کو جو چیز نہیں ملتی وہ اسی کی طلب کرتا ہے تمہاری اماں بھی توجہ حاصل کرنے کے چکر میں غلطیاں کر بیٹھی بھلا جس بندے نے سونا نہیں دیکھا اسے سونے کی پہچان کیونکر ہو وہ تو اپنے قیاس سے ہی ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لے گا اور تمہاری اماں نے بھی یہی غلطی کی اس کے لیے ہم اسے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے" لالہ جی نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تو پھر کسے موردِ الزام ٹھہرائیں؟" اس نے تڑپ کر سوال کیا تھا۔

"حالات بیٹا حالات ہی سب سے بڑی وجہ ہوتے ہیں انہی پر بہتے بہتے کہانیاں رقم ہو جاتی ہیں تمہاری ماں کے ساتھ بھی یہی ہوا' وہ بنیادی طور پر غلط نہیں تھیں بس محبت اور توجہ چاہنے کے جرم میں سب کچھ کرتی چلی گئیں۔ میں نے تمہیں یہ ڈائری اس لیے دی تھی تاکہ تم اسے پڑھ کر خود اس کی بے گناہی پر یقین کر سکو' ڈائری میں انسان اپنے دل کی بات لکھتا ہے وہ بات جو وہ کسی سے نہیں کہتا' پورا سچ' کیا تم نے نہیں پڑھا کہ ہر لمحہ اسے احساس گناہ رہتا مگر بس ایک محبت کی نگاہ حاصل کرنے کے چکر میں یہ سب ہوتا چلا گیا۔ پیاسے نے تو دوڑنا ہے اب اسے کیا پتہ کہ سامنے پانی ہے یا سراب' یوں بھی تشنگی جب عروج پر پہنچ جائے تو ایسے ہی حالات سامنے آتے ہیں۔" لالہ جی نے اسے سمجھایا تھا۔

"لالہ جی اماں آپ کے پاس کس طرح آئیں؟" اس نے اپنے ذہن میں مچلتے سوال کو ان کے سامنے دوہرایا تھا۔

"بیٹا تمہارے نانا بہت سخت طبیعت کے مالک تھے۔ وہ تو شاید اس وقت بھی اسے گھر نہ لاتے جب اسے زوار حسن کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ تو بس اپنی بدنامی کے خوف سے اسے گھر لے آئے تھے۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی اس وقت تو شاید اسی لمحے اسے زوار کے ہمراہ رخصت کر دیتے بلکہ نکاح کے بعد انہوں نے زوار پر اسی سلسلے میں دباؤ ڈالا تھا کہ اسے ساتھ ہی لے جائے مگر وہ نہیں مانا بقول اس کے۔"

"میں نے نکاح کے لیے رضامندی دے دی یہ کافی ہے ابھی میں اسے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ میرے گھر والوں کو علم نہیں پتہ نہیں وہ کیا سلوک کریں اس کے ساتھ۔"

اس کی یہ بات سن کر تمہارے نانا کو بہت غصہ آیا تھا۔ اور انہوں نے یہی کہا کہ تمہاری بیوی ہے اسے ساتھ ہی لے کر جاؤ یہ سنتے ہی اس نے طلاق کے تین حرف کہے اور نکل گیا کہ اب تو میری بیوی نہیں اب تو آپ ہی اسے سنبھالیے آپ ہی کی بھگتان ہے یعنی نکاح کے ساتھ ہی طلاق بھی دے دی۔ اس وقت تمہارے نانا کی جو حالت ہوئی تھی میں نہیں بیان کر سکتا۔ انہوں نے اسی لمحے تمہاری ماں کو بازو سے پکڑ کر نکال باہر کیا کہ میں تمہارا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا نکل جاؤ یہاں سے یہ حالات دیکھ کر میں اسے اپنے ساتھ لے آیا کہ بہرحال کچھ بھی تھا وہ میری خالہ زاد تھی میرے لیے بہنوں کی طرح تھی۔

یہاں لے کر آیا تو تمہاری خالہ یعنی تمثین کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں رہا ایک عرصہ اسے سمجھاتے گزرا کہ اس میں اس کا قصور نہیں تم لوگوں کے باپ کا ہے اور اسی وقت میں نے اسے کہا تھا کہ اگر اپنی بہن سمجھ کر اسے نہیں بخش سکتیں تو میری بہن سمجھ کر اس کا گناہ نظرانداز کر دو۔

بس اسی دن سے میں نے اسے اپنے حوالے سے متعارف کروانا شروع کر دیا ابوہریرہ تک کو نہیں پتہ کہ جسے یہ پھپھو کہتے ہیں وہ حقیقت میں ان کی سگی خالہ ہیں۔" لالہ جی نے بتایا تو اس کی آنکھیں بھر بھر اٹھیں۔

"لالہ جی آپ آپ کتنے اچھے ہیں؟"

"بیٹا میں اچھا نہیں یہ بس یوں ہے کہ اللہ نے

میرے دل میں رحم ڈال دیا اور یہ سمجھ عطا فرمائی کہ ایک شخص کے گناہ پر خدا اسے سزا دینے کا حقدار ہے بندے نہیں تمہاری ماں نے اپنے گناہ کی سزا جس طرح بھگتی وہ میں نے بھی دیکھی ہے اور ثمین نے بھی اب مزید کیا اسے سزا دیتی؟ شرمندگی کا تو ایک لمحہ کافی ہوتا ہے جبکہ تمہاری ماں نے پچیس سال شرمندگی سہتے گزارے ہیں اب اور کیا اسے سزا دیتی وہ بھی اس کے لاشعوری عمل پر۔" لالہ جی نے کہا تھا۔

"لیکن لالہ جی صرف میری ماں ہی نے کیوں یہ سزا سہی اس واقعے کے دوسرے فریقین کو بھی تو سزا ملنی چاہیے ناں!" رحل نے پوچھا تھا۔

"خدا۔۔ بیٹا خدا بہتر منصف ہے اور یقیناً" وہ انہیں بھی سزا دے گا بلکہ دی ہے کیا تمہارے نانا کے لیے یہ سزا کافی نہیں کہ ساری عمر گردن اکڑا کر چلنے والا اپنی بیٹی کے جرم کی بدولت زندگی بھر لوگوں سے نظریں نہ ملا سکے لوگوں سے ملنے سے کترائے ہزار وہ تمہاری ماں سے لاتعلقی کا اظہار کریں مگر وہ ان کی بیٹی ہے یہ بات رہتی دنیا تک لوگ کہتے رہیں گے اور اولاد کے گناہ کے ذمہ دار کسی حد تک والدین ہی ہوتے ہیں اور یہاں تو پوری ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔

رحل بیٹا جو کچھ ہوا وہ تو ہونا ہی تھا اس دن نہ ہوتا تو پھر کسی دن ہو جاتا زوار نہ ہوتا تو کوئی اور ہوتا جو لوگ اپنی بیٹیوں کو اپنی عزتوں کو یوں سرعام رولتے ہیں ان کی کوئی قدر نہیں کرتا اپنی عزت کی اپنی چیز کی خود حفاظت کرنی پڑتی ہے بیٹیاں یوں رولنے کی چیز نہیں ہوتیں انہیں تو بہت سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے اگر ایسا نہ کریں تو باہر دنیا کے گدھ انہیں کھا جائیں اپنے آبگینوں کی خود حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ لوگوں نے تو ہاتھوں میں پتھر اٹھانے ہی ہیں جب آپ اپنے آبگینے ان کے سامنے مشق ستم کے لیے رکھ دیں گے ہے ناں۔" لالہ جی نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آج اسے پتہ چلا تھا کہ لالہ جی اماں اور باقی لوگ انہیں باہر کیوں نہیں جانے دیتے تھے۔ واقعی سانپ کا ڈسا تو رسی سے بھی ڈرتا ہے۔

"اور رہا زوار حسن آفندی۔۔؟" لالہ جی کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔ جو بڑے پراسرار انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"کیا مطلب؟" رحل نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔"

"مطلب یہ کہ اب تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ میں اتنی دیر میں چینج کرتا ہوں آج تمہاری اماں کو ڈسچارج ہونا ہے ہاسپٹل سے زرتاشہ اور ابو ہریرہ ہم لوگوں کا انتظار کر رہے ہوں گے۔۔ اور ہاں!" لالہ جی نے باہر نکلتے نکلتے پلٹ کر اسے دیکھا تھا پھر اس کے پاس آکر اس کے سر پہ ہاتھ دھرا تھا۔

"اپنی اماں سے اچھے طریقے سے پیش آنا یہ سوچ کر کہ وہ اپنے گناہ کی سزا بھگت چکی ہے اور اب خوشیوں کا چہرہ دیکھنا اس کا بھی حق ہے بڑی عمر گزار لی اس نے ڈر ڈر کر اب اسے بھی مسکرانے دو اور اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں لحاظ نہیں کروں گا۔ وہیں پٹائی کر دوں گا۔" لالہ جی نے کہا تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"لالہ جی، مجھے اماں سے اب بھی محبت ہے بہت بے پناہ اس دنیا سے بھی زیادہ۔" اس نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"اور اپنے لالہ جی سے؟"

"اوں۔۔ ان سے بھی ہے مگر اماں سے کم۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا تو وہ ہنس دیے۔

"گڈ۔۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"آئی لو یو لالہ جی ٹو مچ یو آر جسٹ آ سپر نیچرل بینگ

میں آپ جیسا بننا چاہتی ہوں لالہ جی، اتنی ہی کھلے دل کی مالک اور اسی طرح لونگ" اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اچھا اب یہ مسکا لگ رہا ہے۔ بری بات بیٹا اتنی بٹرنگ اچھی نہیں ہوتی شاباش جلدی سے کھانا کھاؤ اور تیار ہو جاؤ۔ ورنہ زرتاشہ کے سامنے پیشی تمہیں ہی بھگتنی پڑے گی ٹھیک۔"

لالہ جی نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی واش روم میں گھس گئی مگر اس لمحے بھی ذہن میں یہ ہی سوچ تھی کہ محبت کرنے والے کھلے دل انسان اللہ کی تمام نعمتوں پر حاوی ہیں اور شاید اس کائنات کا حسن بھی وہی ہیں! ہیں ناں!

♥ ♡ ♡ ♥

چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں کو یہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ
چاہنے سے نہیں آتا
بہت سے نقش نقاش ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشیہ گہرا سیاہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زاویے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا!

"اماں۔!"

جانے کتنی صدیاں انہوں نے یوں ہی آنکھیں موندے گزار دی تھیں کہ رحل کی دھیمے سروں میں بولتی آواز نے انہیں دوبارہ دنیا کا سامنا کرنے پر آمادہ کر دیا۔

"ہوں کیا بات ہے؟" انہوں نے آنکھیں کھول کر سوال کیا تھا۔ وہ جھجکی تھی کی۔

"اماں آپ کو کیا ہوا تھا؟"

"کچھ نہیں بیٹا بس ویسے ہی بوڑھی ہو گئی ہوں اس لیے دل دغا دے رہا ہے۔" انہوں نے بظاہر مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا حالانکہ اس کے سوال پر دل اندر تک سے ادھڑ گیا تھا۔

"اماں اپنے دل کو سمجھائیں اور اسے بتائیں کہ رحل آپ سے کتنی محبت کرتی ہے رحل کی زندگی کے لیے آپ کتنی ضروری ہیں اماں اپنے دل کو بتا دیں کہ جن سے محبت کی جاتی ہے وہ بوڑھے نہیں ہوتے آپ بھی بوڑھی نہیں ہوئیں اس لیے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں ہے ناں۔" رحل نے ان میں گویا توانائی انجیکٹ کی تھی۔ جبھی تو وہ مسکرا اٹھی تھیں۔

"ہوں جانتی ہوں میں۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی نہیں' آپ نہیں جانتیں آپ کی رحل آپ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ پتہ ہے اماں مجھے یوں لگتا ہے کہ میرا دل بہت چھوٹا ہے اور آپ کی محبت بہت زیادہ میرے دل میں سما ہی نہیں سکتی معلوم ہے آپ کو اماں میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں' بہت زیادہ اس دنیا سے بھی زیادہ آسماں سے بھی زیادہ سب سے زیادہ آپ سے زیادہ پیارا مجھے کوئی نہیں لگتا پتہ ہے آپ کو؟" رحل نے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"کیا ابو ہریرہ سے بھی زیادہ؟" انہوں نے اسے چھیڑا تھا۔

"اماں' ان کا یہاں پر کیا ذکر۔" اس کا چہرہ گلابی سا ہوا تھا اور اس لمحے وہ انہیں بہت اچھی لگی۔

"اسی کا تو ذکر ہے اب۔ تمہیں اب سب سے زیادہ اسی سے محبت کرنی ہے ٹھیک ہے ناں۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

"کوئی نہیں اماں۔" اس نے شرماتے ہوئے ان کی گود میں منہ چھپایا تھا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی ماں بیٹی میں ذرا ہم بھی تو سنیں۔" اسی لمحے عرفات لالہ اندر آئے تو وہ مسکرا دیں۔

"آیئے لالہ آج جلدی آ گئے آپ؟" انہوں نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ایک ضروری بات کرنا تھی تم سے۔"

"کیا بات ہے خیر تو ہے؟"

"ہاں' ہاں خیر ہی ہے گھبراؤ مت۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔

"لالہ جی اماں کا دل چھوٹا ہو گیا ہے اس لیے جلد سہم جاتا ہے ہے ناں۔" رحل نے شرارت سے کہا تو اماں ہنس دیں۔

digestlibrary.com

"حالانکہ عشاء اتنی پیاری بیٹی کے ہوتے ہوئے تمہارا دل تو خوشی سے بہت بڑا ہو جانا چاہیے مت ڈرا کرو' ڈرے ہوئے کو لوگ زیادہ ڈراتے ہیں۔ خوش رہا کرو' اللہ کا شکر کیا کرو اس نے تمہیں تمہارا دکھ بانٹنے والے لوگ دیے ہیں۔" لالہ جی نے نصیحت کی تھی۔

"اور محبت کرنے والے بھی جو صرف آپ کی وجہ سے اس دنیا سے بھی محبت کرتے ہیں" رحل نے لقمہ دیا تو وہ ہنس دیے۔

"تم بیچ میں ضرور بولنا۔"

"خود ہی تو کہتے ہیں کہ تم مینا ہو اور مینا تو بس بولتی ہے' ہے ناں اماں۔" رحل نے کہا تو اماں کے ساتھ لالہ جی بھی ہنس دیے۔

"یہ چپ نہیں ہو گی لالہ اسے رہنے دیں آپ بتائیں آپ کوئی ضروری بات کرنے آئے ہیں۔" اماں نے انہیں متوجہ کیا تھا۔

"ہاں وہ زوار حسن آفندی کا فون آیا تھا!" لالہ جی نے بات کا آغاز کیا تو انہوں نے گھبرا کر رحل کو دیکھا۔

"رحل' بیٹا تم باہر جاؤ۔" بے ساختہ انہوں نے کہا تھا۔

"کیوں بھئی' بیٹھا رہنے دو اسے کیوں باہر بھیج رہی ہو۔" لالہ جی نے حیرانی سے دریافت کیا تھا۔

"اماں میں جانتی ہوں زوار حسن آفندی میرے والد ہیں۔ اس میں مجھ سے چھپانے والی کون سی بات ہے' میرے لیے آپ کافی ہیں۔ آپ اتنی اچھی ہیں اماں کہ آپ کے بعد اب میرے لیے کسی کی اہمیت نہیں۔۔ زوار حسن آفندی کیا تھے انہوں نے کیا کیا؟ اور کیوں کیا؟ میرے لیے ان سوالوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی اہمیت ہے تو بس اس کی کہ آپ میری اماں ہیں اور میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اتنی کہ آپ کے بغیر میں ایک لمحہ نہیں رہ سکتی ہے ناں لالہ جی۔"

رحل نے کہا تھا جبکہ ان کا تیزی سے سفید پڑتا چہرہ جیسے دوبارہ اپنے معمول پر آگیا تھا۔ شاید اس کے الفاظ میں اتنی تاثیر تھی جنہوں نے انہیں خوف کے اس مضبوط حصار سے نکال دیا تھا جس میں وہ ایک عرصہ سے قید تھیں۔

"خدایا میں کیسے تیرا شکر ادا کروں؟" بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا تھا۔

"لالہ جی آپ کچھ بتا رہے تھے زوار حسن آفندی کے بارے میں؟" رحل نے مطمئن لہجے میں انہیں متوجہ کیا تھا۔

"ہاں اس کا فون آیا تھا ملنا چاہ رہا ہے وہ دوبارہ۔" انہوں نے گویا دھماکہ کیا۔

"دوبارہ کیا مطلب؟" رحل چونکی تھی۔

"پہلے بھی وہ آیا تھا جب تمہاری ماں کو اٹیک ہوا تھا اس دن۔" لالہ جی نے بتایا تھا۔

"مطلب ان کی وجہ سے اماں کو اٹیک ہوا تھا۔"

"کہہ سکتی ہو؟" انہوں نے مبہم سے انداز میں تائید کی تھی۔

"تو اب کیوں ملنا چاہتا ہے وہ۔" رحل نے تلخ لہجے میں پوچھا تھا۔

"اپنے بیٹے کا رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ پہلے بھی اس لیے آیا تھا اور اب بھی اسی لیے آنا چاہتا ہے' اگرچہ اس نے کہا یہ ہی ہے کہ وہ عشاء کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے آرہا ہے۔" لالہ جی نے بتایا۔

"رشتہ کرنا چاہتا ہے' کیوں کیا اماں کی زندگی برباد کر کے اسے چین نہیں ملا جو وہ اب زرتاشہ پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور زرتاشہ انہیں ملی کہاں؟ پھر سب سے اہم بات وہ یہاں اب دوبارہ کس منہ سے آرہا ہے؟ کیا اس میں اتنی ہمت ہے کہ اماں کا بار بار سامنا کر سکے؟"

رحل نے حیرانی سے دریافت کیا تھا (لالہ جی کی بات سن کر اس کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ وہ زرتاشہ کے رشتے کے لیے آرہے ہیں۔ اپنا تو اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا نہ ہی انہوں نے بتایا تھا۔)

"بیٹے ابھی وہ عشاء سے نہیں ملا۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں عشاء کا بہنوئی ہوں اسی لیے تو وہ دوبارہ آرہا ہے اگر معلوم ہوتا تو شاید دوبارہ کبھی نہیں

آنا میرا ارادہ یہی تھا کہ میں اس کا سامنا عشاء سے کرواؤں گا اور اس کے گھر والوں کو اس کا اصلی چہرہ دکھاؤں گا مگر اس سے پہلے ہی ثمین نے مجھے آکر بتایا کہ عشاء بے ہوش ہو گئی ہے۔

سو میں نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور زوار حسن سے یہی کہا کہ ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے اس لیے بعد میں اس سے بات ہو گی اس کے بعد اس نے مجھے بارہا فون کیا مگر میں عشاء کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اب چونکہ عشاء ٹھیک ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زوار حسن سے آخری معرکہ ہو جائے تاکہ یہ روز روز کی ٹینشن تو ختم ہو۔ ہاں تو عشاء اب بتاؤ کب بلواؤں میں زوار حسن کو؟"

لالہ جی نے اسے بتاتے بتاتے اماں سے سوال کیا جو چپ بیٹھی ان کو سن رہی تھیں۔

"جب آپ مناسب سمجھیں عرفات لالہ میں کیا بتاؤں آپ کو؟"

"اماں آپ گھبرائیں نہیں اگر قدرت آپ کو ایک موقع دے رہی ہے کہ آپ زوار حسن سے اپنے گزرے لمحوں کا تاوان لیں تو آپ کو اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے اماں یہ تو کوئی انصاف نہیں ہوا کہ ساری سزا آپ سہیں کچھ سزا تو زوار حسن کو بھی ملنی چاہیے۔ اگر آپ کو ہم سے محبت ہے تو آپ کو حوصلہ کرنا ہو گا قدرت کے دیئے گئے اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا ہو گا۔ آپ کریں گی ناں ایسا؟" رحل نے ان سے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ عشاء ڈرا نہیں کرو جن کے پاس خدا کی رحمتیں اور بھائی کی محبتیں ہوں انہیں ڈرنا نہیں چاہیے میں ہوں ناں بس تم بے فکر ہو کر اس سے سارے حساب کتاب کرنا کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکے گا اس لیے کہ تم حق پر ہو اور حق مانگنے پر کوئی قانون نافذ نہیں ہوتا ٹھیک۔ چلو شاباش اب سو جاؤ اور کوئی ٹینشن مت لو' انشاء اللہ پرسوں زوار حسن سے بات ہو گی اللہ بہتر کرے گا۔" عرفات لالہ نے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر آنکھیں موند لیں کہ ابھی تو اس دل کو سمجھانے کا مرحلہ باقی تھا جو ابھی بھی زوار حسن کی محبت میں مبتلا تھا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود سب کچھ سہنے کے باوجود اس محبت سے دستبرداری پر آمادہ نہ تھا۔

خدایا کیا ہے یہ محبت؟ کیوں اتنا بے بس کر دیتی ہے انسان کو کہ پھر انسان کچھ کر ہی نہیں پاتا بس چپ چاپ محبت کو سنے جاتا ہے بولے جاتا ہے یوں جیسے اس سے زیادہ سحر انگیز اور کوئی راگ نہ ہو اب اس سے بہتر کوئی بات نہ ہو! انہوں نے خدا سے سوال کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کتنا کچھ دل میں چھپا رہتا ہے
زندگی یوں ہی گزر جاتی ہے بے خبری میں
بے خبر رہنے میں بھی سکھ ہے بہت
جتنا کچھ جانتے جاتے ہیں
اذیت ہی تو ہے
جتنا کچھ مانتے جاتے ہیں محبت ہی تو ہے
اور محبت میں بھلا سکھ کی کوئی بات کہاں
بے کلی روح میں جیسے در آتی ہے
بے قراری کی قسم!
جاننا روگ بھی ہے
سوگ بھی ہے
جاننا اتنی ہی لاچاری ہے
جتنا کچھ دل میں چھپا رہتا ہے
کتنا کچھ دل میں چھپا رہتا ہے

آج زوار حسن آفندی نے آنا تھا اور اگرچہ اس نے اماں سے کہہ دیا تھا کہ اسے زوار حسن آفندی سے کوئی دلچسپی نہیں مگر پھر بھی دل کے ایک گوشے میں انہیں دیکھنے ان سے ملنے کا تجسس تھا۔

اس وقت بھی وہ زرتاشہ کے ہمراہ اپنے کمرے میں بیٹھی مختلف فیشن کیٹلاگ دیکھ کر تبصرہ کر رہی تھی جو ثمین باجی نے انہیں لا کر دی تھیں مگر دل ہی دل میں وہ زوار حسن آفندی کی آمد کی خبر سننے کی منتظر تھی۔ عجیب سی بے چینی تھی جو دل کو لاحق تھی۔

"میرا خیال ہے کہ بابا کے گیسٹ آ گئے ہیں؟" اسی

digestlibrary.com

لمحے باہر ہلچل کا احساس ہوا تو زرتاشہ نے کہا۔
"ہوں" لگتا تو ہے۔" اس نے اپنے اندر اٹھنے والی اضطرابی لہر کو دباتے ہوئے بظاہر سرسری سے انداز میں کہا تھا۔
"ویسے تمہارا دل نہیں چاہ رہا کہ تم جیمز بانڈ کے ان رشتے داروں سے ملو انہیں دیکھو۔" زرتاشہ نے پوچھا تو وہ حیران ہوئی۔
"جیمز بانڈ کے رشتے دار کیا مطلب؟"
"بھئی جس طرح ان کے آنے پر ہمیں پابند کیا گیا ہے کہ باہر نہیں نکلنا اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ زیرو زیرو ٹائپ کوئی لوگ ہوں گے۔ جن کو عموماً" پس پردہ رکھا جاتا ہے تاکہ عوام ان سے familiar نہ ہو سکیں۔" زرتاشہ نے مزے سے کہا تو وہ ہنس دی۔
"توبہ ہے تم سے زرتاشہ بات کو تم کہاں لے جاتی ہو۔ بھئی ہو سکتا ہے کہ لالہ جی ان کے سامنے ہمیں بلوانا مناسب نہ سمجھتے ہوں اسی لیے انہوں نے ہمیں منع کر دیا' یوں بھی پہلے کون سا ہم ان کے دوستوں کے سامنے جاتے ہیں جواب تمہیں یہ سب عجیب لگ رہا ہے۔" رحل نے زرتاشہ کا دھیان بٹایا تھا۔
"یہ ٹھیک ہے کہ پہلے ہم بابا کے دوستوں کے سامنے نہیں جاتے تھے مگر یوں کسی کے آنے پر اسپیشل پابندی بھی نہیں لگی تھی۔ اس لیے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔" زرتاشہ نے بتایا۔
"بھئی ہو سکتا ہے کہ تمہارے رشتے کے لیے آئے ہوں اس لیے ہم پر پابندی لگائی ہو کہ کہیں لڑکی کو دیکھ کر ارادہ ملتوی نہ کر دیں۔" اس نے زرتاشہ کو چھیڑا تھا۔
"رحل۔ یو۔" زرتاشہ نے بے ساختہ ڈھیر سارے کشن اس کی طرف یکے بعد دیگرے اچھالے تھے۔
"اچھا' بس بس' سوری بھئی آئندہ یہ سچ نہیں بولوں گی۔" رحل نے شرارت سے اسے دیکھا تھا جبکہ اس کی بات پر زرتاشہ کا ایک لمحے کو رکتا ہاتھ دوبارہ تیزی میں آ گیا تھا۔
"ایمن ٹھیک کہتی تھی تم واقعی بہت تیز ہو گئی ہو لاہور جا کر۔ میں ابوہریرہ بھائی کو وارن کروں گی کہ تم سے بچاؤ کی تدابیر سوچ لیں یہ نہ ہو کسی دن تم ان کے بھی کان کتر جاؤ۔" زرتاشہ نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دی۔
"یعنی تم مانتی ہو کہ تمہارے بھائی بڑی تیز شے ہیں۔"
"نہیں نہیں مگر ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ تم سے نبھانے کے لیے انہیں تیز بننا پڑے گا۔" زرتاشہ نے دوبدو جواب دیا تھا۔
"ارے یہ کیا حال کیا ہے تم لوگوں نے کمرے کا۔" اسی لمحے ثمین مامی اندر آئیں تو رحل جوابی حملہ کرتے کرتے رک گئی۔
"وہ مامی کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" دونوں نے بوکھلاتے ہوئے کشن اپنی جگہ جمانے کی کوشش کی تھی۔
"رحل' چھوڑو بیٹا انہیں یہ خود ہی زرتاشہ کر لے گی' تم میرے ساتھ آؤ تمہارے لالہ جی تمہیں بلا رہے ہیں۔" ثمین مامی نے کہا تو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سر پر دوپٹہ جماتی ان کے پیچھے ہو لی۔
"گویا فیصلے کی گھڑی آ پہنچی خدایا تو ہی عزت رکھنا۔" اس نے دعا کی تھی۔
"السلام علیکم۔" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے مشترکہ سب کو سلام کیا تھا اور سامنے نظر کی تو حیران رہ گئی۔ بالکل سامنے ایمن کے تاؤ جی آشان آفندی اور اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھے نظر آئے تھے ذہن ان لمحوں میں کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔
"بیٹھو بیٹا یہ زوار حسن آفندی ہیں ساتھ ان کی بیگم اور بیٹا آشان کو تو تم جانتی ہی ہو ناں۔" لالہ جی کی آواز نے اسے شاک سا لگایا تھا۔
ایمن کے تاؤ زوار حسن آفندی یعنی اس کے والد؟ ذہن ٹھٹکا تھا۔
"اور یہ ہماری بھانجی ہے رحل' رحل حسن

آفندی!" لالہ جی نے اس کے کندھوں پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے کہا تھا یوں کہ وہ ان کی شفقت بھرے حصار میں آگئی ہو یکدم ہی اسے بہت تحفظ کا احساس ہوا تھا۔

"جی' جی میں جانتا ہوں' بہت پیاری بچی ہے آپ کی بھانجی۔" زوار حسن آفندی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ان کی بات پر اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تو نگاہ بالکل برابر میں بیٹھے آشان حسن کی طرف گئی جو عجیب نثار ہونے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ بیٹھے ابو ہریرہ کے چہرے پر اس لمحے عجیب سے تاثرات رقم تھے۔ وہ سمجھ نہ سکی تھی۔

"رحل بیٹا ایک مسئلہ درپیش آگیا ہے اسی لیے آپ کو یہاں بلوایا ہے" اسی لمحے لالہ جی نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا ورنہ شاید وہ ابو ہریرہ کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کی کیفیت جان جاتی۔

"جی لالہ جی' کیسا مسئلہ؟" اس نے پوچھا تھا۔

"زوار حسن آفندی رشتہ لے کر آئے ہیں آشان حسن آفندی کا اپنے بیٹے کا۔" لالہ جی ایک لمحے کو رکے تھے اس نے آشان کی طرف نگاہ کی تو سرشاریاں مکمل طور پر اس کے وجود کا احاطہ کیے نظر آئیں جبکہ زوار حسن آفندی بھی مسکراتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھے' لیکن عجیب بات تھی کہ ابو ہریرہ کا چہرہ ان لمحوں میں بالکل سپاٹ تھا یوں جیسے وہ اس سارے سلسلے کو نہیں سننا چاہتا ہو' اس سے لاتعلقی اختیار کرنا چاہتا ہو۔

"یہ تمہیں مانگ رہے ہیں اپنے بیٹے کے لیے۔" لالہ جی نے گویا دھماکہ سا کیا تھا اس کے قریب وہ بے ساختہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے ابھی کیا کہا تھا۔

"میرے لیے" بڑی دیر بعد اس کے لبوں سے حیرانی کی آمیزش لیے سوال برآمد ہوا تھا۔

"ہوں' تمہارے لیے بیٹا تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے" لالہ جی نے پوچھا تھا بڑے معنی خیز انداز میں اور ان کے اس انداز نے اس کے اندر کی حسیات کو یکدم بیدار کردیا تھا۔

"میرا خیال؟" وہ حیران ہوئی شاید دانستہ طور پر۔

"لالہ جی کیا آپ نے میرا پورا تعارف نہیں کروایا ان سے؟" اس نے زوار حسن آفندی کی طرف دیکھتے ہوئے لالہ جی سے سوال کیا تھا۔

"پورا تعارف' کیا مطلب بیٹا' ہم تمہارے بارے میں جانتے ہیں تم نے خود ہی تو بتایا تھا کہ تمہارے والدین میں سیپریشن ہو چکی ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں کہ ہم اسے ایشو بنالیں ہم اس بارے میں فکرمند نہ ہو کیوں بیگم"۔ زوار حسن آفندی نے اپنی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی تھی۔

"ہاں ہاں بیٹا تم اس سلسلے میں فکرمند نہ ہو ہم براڈ مائنڈڈ لوگ ہیں ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ یوں بھی آج کل کے دور میں تو یہ ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ وہ پہلا زمانہ تھا جب لوگ اسے طعنے کے طور پر لیتے تھے کہ جی ماں باپ میں علیحدگی ہوگئی ہے تو بیٹیاں بھی گھر نہیں بسائیں گی۔ اب تو ٹرینڈ چینج ہوگیا ہے ________ انہوں نے گویا اسے تسلی دی تھی۔

"نہیں آنٹی' میں سیپریشن کی بات کر بھی نہیں رہی' وہ ماضی کی بات ہے جو گزر چکا اسے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں میں دراصل آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں کہ میرا پورا نام رحل ابو ہریرہ ہے۔ دو سال قبل میرا نکاح ابو ہریرہ سے ہو گیا تھا اب تو شادی کی تیاریاں ہیں۔ جبکہ دو سال قبل میرا پورا نام رحل زوار حسن آفندی تھا اور یہ تو آپ جانتی ہوں گی کہ ہمارے مذہب میں ایک ہی باپ کی اولاد میں اس طرح کے رشتے نہیں قائم کیے جاسکتے۔ سو آج تو کیا آج سے دو سال قبل بھی آپ آتیں تو آپ کی خواہش کا پورا ہونا ناممکن ہی تھا۔" اس نے بڑے سکون سے دھماکہ کیا تھا۔

"کیا مطلب ۔۔۔؟ کیا کہنا چاہ رہی ہو تم۔" بیگم زوار

حسن آفندی نے حیران ہوتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔" اس نے ان کی بات ہولے سے دہرائی تھی۔

"میری بات آپ سے زیادہ زوار حسن کی سمجھ میں آئے گی۔ مجھے غور سے دیکھیں آفندی صاحب! کیا میرا کوئی نقش آپ سے عشاء کے نقوش کی چغلی نہیں کھاتا' یا پھر شاید آپ کی کوئی جھلک کوئی ادا جو میرے نقوش نے چرالی ہو یاد ہے پہلی ملاقات میں آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو یوں لگتا ہے جیسے آپ نے پہلے بھی مجھے کہیں دیکھا ہے یاد کیجیے کہاں دیکھا ہے کس کے چہرے کی شباہت مجھ میں جھلکتی ہے یاد کریں آجائے گا یاد آپ کو اگر نہیں تو میں اماں کو بلوا لیتی ہوں۔ شاید پھر آپ کو یاد آجائے ہے ناں۔"

اس نے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ جبکہ باقی سب ساکت اسے دیکھ رہے تھے سن رہے تھے۔

"تم عشاء کی بیٹی ... کیسے؟" بڑی دیر بعد ان کے ساکت وجود میں سے بے ربط جملہ برآمد ہوا تھا۔

"نہ صرف عشاء کی بلکہ آپ کی بھی۔ نہ سہی اپنا نسب مگر اپنے نقوش تو پہچان لیں۔" اس نے طنز کیا تھا۔

"اوہ عشاء رحل' رحل عشاء یہ سب کیا ہے؟؟"

بے ساختہ انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں تھاما تھا۔

"اسے مکافات عمل کہتے ہیں آفندی صاحب! آپ کیا سمجھے تھے کہ اس کمزور سی لڑکی کو داغدار کرنے کے باوجود آپ کا دامن صاف رہے گا اسے سزا کے جہنم میں دھکیل کر آپ خوشیوں کے ہنڈولے جھولتے رہیں گے۔ نہیں' نہیں آفندی صاحب پچیس سال بعد ہی سہی لیکن مکافات عمل سے فرار ممکن نہیں دیر سے سہی لیکن قدرت اپنے شکنجے میں لے آتی ہے انسان کو اس سے فرار ممکن نہیں۔

سزا دینے پر نہ آپ قادر ہیں نہ میں اور نہ ہی میری ماں سزا دینے پر تو وہ رب ہی قادر ہے جس کی حدود کو ہم توڑتے ہیں میں آپ کو کچھ نہیں کہنا چاہتی اور نہ کہوں گی اس لیے کہ جس کے آپ پہلے مجرم ہیں جس کی ساری عمر کو داغدار کیا ہے وہ اب بھی آپ کی محبت میں مبتلا ہے آپ کو سزا کے اس اندھے غار میں مقید نہیں دیکھ سکتیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر خدا اسے قدرت دے تو شاید وہ آپ کو سزا کے اس جہنم سے نکال کر خود ساری عمر اس میں جلتی رہے اتنی ہی پاگل محبت کرتی ہے وہ آپ سے اب بھی اتنے عرصے بعد بھی وہ آپ کو سزا سنانے کے لیے آپ کا سامنا کرنے پر تیار نہیں جن لبوں نے ہمیشہ محبت کے قصیدے پڑھے ہوں وہ نفرت کے نوحے نہیں ادا کرسکتے یہ ان کی مجبوری ہی نہیں ان کی فطرت بھی ہے۔

کیا کہوں میں آپ سے؟ جس کے آپ مجرم ہیں جب وہ ہی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہیں تو میں کون ہوتی ہوں آپ کو سزا سنانے والی؟ اپنا اور اپنی ماں کا معاملہ میں خدا کے سپرد کرتی ہوں کہ وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے ہاں البتہ یہ ضرور کہوں گی آپ سے اور آپ ہی جیسے دوسرے مردوں سے کہ اپنا نسب بے نام و نشان نہیں چھوڑتے۔ وگرنہ ایسی ہی شرمندگیاں راہ روک کر دامن پکڑ لیتی ہیں۔"

رحل نے کہتے کہتے ان کی طرف نظر کی تو اسے یوں لگا جیسے زوار حسن آفندی کو معاف کر کے اس نے ان سے سب سے بڑا انتقام لے لیا ہو۔

اس لمحے ان کے چہرے کے تاثرات یوں لگ رہا تھا جیسے انسان اپنی قیمتی متاع کو خود سے دور ہوتے دیکھ رہا ہو یوں جیسے اپنے ہی سامنے عمر بھر کی پونجی جل رہی ہو اور آپ کچھ نہ کر سکتے ہوں۔

رحل کو یوں لگا جیسے ساری زندگی میں ایک ہی لمحہ اس کے لیے متاع حیات ہو یوں جیسے اس لمحہ کے لیے وہ اماں کی طرح اپنی عمر گروی رکھ سکتی ہے۔ اتنا ہی قیمتی لمحہ لگا تھا اسے وہ' مزید کچھ کہے بغیر اس نے زوار حسن آفندی کے چہرے پر ایک گہری اور شاید آخری نظر ڈالی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

گھر میں آج کل اس کی رخصتی کے لیے زور و شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سو ہر طرف ایک

افزا آفری کا سا سماں تھا۔

اس دن کے بعد سے گھر میں کسی نے زوار حسن آفندی کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یوں جیسے اس دن وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے گھر کے مکینوں کا کوئی تعلق ہی نہ ہو دوسروں کی تو بات ہی کیا زرتاشہ اور ابو ہریرہ تک نے اس کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیا تھا۔ اور اگرچہ اس طرح کی بے نیازی ایک لحاظ سے رحل کے لیے فائدہ مند تھی کہ اسے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا پڑ رہا تھا مگر پتہ نہیں کیوں ایک بے چینی تھی جو دل کو لاحق تھی۔ اس کا دل کرتا کہ کسی اور کو تو نہیں مگر ابو ہریرہ کو ضرور اس کے متعلق الف سے یے تک بتادے۔

پتہ نہیں کیوں مگر وہ چاہتی تھی کہ اپنی ذات کے اس پہلو سے ابو ہریرہ کو ضرور آگاہ کرے اسے حیرانی ہوتی یہ دیکھ کر کہ آج کل وہ صرف اور صرف ابو ہریرہ کے بارے میں سوچتی رہتی صرف ایک ہی سوچ اس کے ذہن پر حاوی رہتی کہ کس طرح وہ ابو ہریرہ سے اس معاملے کو ڈسکس کرے لیکن ساتھ ہی دل کو خدشہ لاحق رہتا کہ کہیں ابو ہریرہ کو وہ کھو نہ دے کہیں وہ اس معاملے کے منفی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی انتہائی فیصلہ نہ کرے۔

یہ اس رشتے کا کمال تھا جو اس کے اور ابو ہریرہ کے مابین موجود تھا یا پھر ابو ہریرہ کی خوب صورت شخصیت کا مگر واقعہ یہ تھا کہ دل اب اسے کھونے کے خدشے پر لرزتا رہتا تھا۔

اور اگرچہ لالہ جی نے اسے یقین دلایا تھا کہ اگر اس معاملے یا مسئلے سے متعلق کچھ بھی اچھا یا برا اثر اس کی زندگی پر پڑا تو وہ خود اسے بھگتیں گے مگر پھر بھی وہ اس یقین دہانی کے باوجود ابو ہریرہ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ شاید اپنی نئی زندگی کی بنیاد وہ اس اعتماد پر رکھنا چاہتی تھی کہ اس کی یا ابو ہریرہ کی ذات کا کوئی پہلو ایک دوسرے سے مخفی نہ ہو۔

ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ آج کل اس کا ابو ہریرہ سے پردہ کروایا جا رہا تھا۔ سو ابو ہریرہ سے بات کرنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ روبرو بات کرنے کی بجائے کم از کم فون پر ہی ابو ہریرہ سے بات کرلے تاکہ دل کی بے چینی کم ہو کہ اسی وقت زرتاشہ نے اسے اس کا فون آنے کی اطلاع دی۔

"یس رحل اسپیکنگ" ریسیور اٹھاتے ہوئے اس نے اپنے دھڑکتے دل کو قابو میں کیا۔ (یقیناً "ابو ہریرہ کا فون ہوگا وہ بھی مجھ سے "کلیئر" کرنا چاہتا ہوگا) اس کے دل کے کسی کونے میں یہ خدشہ سا موجود تھا۔

"اسلام علیکم کیسی ہو رحل۔" دوسری طرف سے آتی ایمن کی آواز نے اسے حیرانی میں مبتلا کردیا تھا۔

"ایمن تم خیریت۔"

"کیوں کیا میں تمہیں فون نہیں کرسکتی؟"

"نہیں، کیوں نہیں؟ بالکل کرسکتی ہو مگر اتنے عرصے بعد۔"

"ہاں، میں نے سوچا تم نے تو رابطہ کرنا نہیں میں خود ہی کرلوں۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔

"ارے نہیں بس فرصت ہی نہیں ملی تم بتاؤ کیسی ہو تم؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک اور تم؟" ایمن نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں تمہاری دعا ہے۔"

"اور اماں۔" ایمن نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"رحل مجھے تاؤ جی سے پتہ چلا تھا کہ۔" ایمن رکی تھی۔ "لیکن تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا رحل۔" ایمن نے شکوہ کیا تھا۔

"پہلے کیا بتاتی مجھے خود اس وقت پتہ چلا تھا جب میں فائنل کے بعد گھر آئی تھی۔" رحل نے بتایا۔

"تاؤ جی بہت شرمندہ ہیں اور آشان۔" ایمن رکی تھی یوں جیسے اس کو پتہ نہ چل رہا ہو کہ وہ آگے کیا کہے۔

"کیا ہوا آشان کو؟" رحل نے عام سے لہجے میں دریافت کیا۔

"بہت گم صم سا ہو کر رہ گیا ہے پتہ ہے رحل جب یونیورسٹی میں وہ تم پر توجہ دیتا تھا تو مجھے بہت برا محسوس ہوتا تھا میرا دل کرتا کہ میں آشان کو دور کہیں لے جاؤں جہاں وہ صرف مجھے ہی دیکھے اور بس مگر اب اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کرتا ہے کہ میں اسے تمہارے سامنے لے آؤں شاید تمہاری کسی بات تمہاری کسی ادا سے اس کی کھوئی ہوئی شخصیت واپس لوٹ آئے مجھے وہی آشان مل جائے جسے دیکھ کر میرا دل محبت کے اسم میں الجھ گیا تھا۔" ایمن نے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"ایمن تمہیں قسم ہے اسے کبھی میرے سامنے مت لے کر آنا ورنہ شاید وہ کبھی ٹھیک نہ ہو سکے۔" رحل نے بے ساختہ کہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"مطلب یہ کہ ابھی وہ شرمندہ ہے اپنے باپ کے ماضی پر اور اس پر کہ میرا اور اس کا جو رشتہ ہے اس میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں نکلتی جو اس نے مجھ سے کی، لیکن اگر میں اس کے سامنے نہیں گئی تو رفتہ رفتہ وہ سب کچھ خواب سمجھ کر بھول جائے گا وقت اس کی یادداشت کے آئینے کو گرد آلود کر دے گا مگر میرا سامنا اس آئینے کو پھر پہلے کی طرح روشن اور واضح کر دے گا وہ کبھی اس شرمندگی کے حصار سے نہیں نکل سکے گا۔ اس لیے میرا اس سے سامنا نہ ہونے میں ہی بھلائی اور عافیت ہے۔" رحل نے اسے سمجھایا۔

"مگر میں کیا کروں میرا دل اسے اس حالت میں دیکھ کر کڑھتا ہے۔" ایمن نے کہا۔

"ایمن، یہ محبت بہت ظالم شے ہوتی ہے اسی طرح بے قرار رکھتی ہے لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ محبت سب سے بڑا مرہم ہے تم آشان کے زخموں پر اپنی محبت کا مرہم رکھو وہ یقیناً" وہ سنبھل جائے گا اسے بتلاؤ کہ میرے لیے جو کچھ اس کے دل پر اترا تھا وہ محبت نہیں تھی بس کچھ ایسے جذبے تھے جنہیں ہم "متاثر ہونے" کے زمرے میں لے کر آ سکتے ہیں میرا اور اس کا خونی رشتہ تھا اس لیے یہی رشتہ اسے میرے قریب لانے کا سبب بن گیا اور وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اسے محبت سمجھ بیٹھا۔

ایمن تم ہی ہو جو ان لمحوں میں اسے محبت کے اصل روپ سے آشنا کر سکتی ہو مجھے یقین ہے جب تم اسے محبت کے اصل رمز سمجھاؤ گی تو یقیناً" وہ شرمندگی کے اس حصار سے نکل آئے گا جس میں اب وہ قید ہے اس وقت۔ ہاں اس وقت تم اسے لے کر آنا میں اس سے ضرور ملوں گی اس لیے کہ ماں جایا نہ سہی مگر وہ میرا بھائی تو ہے اور بھائی تو مان ہوا کرتے ہیں مجھے اس سے بھائی کے روپ میں مل کر یقیناً" خوشی ہو گی تم اسے یہ ضرور بتانا۔" رحل نے دھیمے اور گہرے لہجے میں اسے سمجھایا تھا جبکہ دوسری طرف ایمن خاموش تھی۔

"رحل۔" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد ایمن کی آواز ابھری تھی۔

"ہوں۔"

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ سب سے اچھا انتقام یہ ہے کہ آپ اپنے دشمن کو معاف کر دیں اگرچہ اس وقت مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر آج تمہارے رویے نے سمجھا دی ہے پتہ ہے معاف کر کے تم اور اماں ہمیشہ کے لیے ہم لوگوں کی یادداشت پر نقش ہو گئی ہو۔" ایمن نے بتایا تو وہ الجھ سی گئی۔

"کیا مطلب ایمن؟"

"مطلب یہ کہ ایک عرصہ تک تاؤ جی نے شاید اماں کو یاد ہی نہیں کیا شاید وہ اپنے گناہ یا پھر شاید محبت کو وہیں ادھر ان کے پاس ہی چھوڑ آئے تھے مگر اب اس دن کے بعد سے وہ ایسے ہو گئے ہیں جیسے اماں سے زیادہ انہیں کسی سے محبت ہی نہ رہی ہو حالانکہ تائی اماں سے انہوں نے پسند کی شادی کی تھی مگر اب کہتے ہیں مجھے یوں لگتا ہے کہ اصل محبت ہی میں نے عشاء سے کی تھی اور یقین کرو یہ بات وہ علی الاعلان کہتے ہیں انہیں اس بات کا بھی خوف نہیں ہوتا کہ اس عمر میں اس طرح کہنے سے ان کا گھر بھی بگڑ سکتا ہے۔" ایمن نے بتایا۔

"ایمن!" رحل نے دھیمے سے اسے پکارا اور گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا تھا۔

"مرد، مرد دراصل محبت کا طلبگار ہوتا ہے ایسی محبت کا جس طرح چاند سے چکور کرتا ہے مرد چاہتا ہے کہ کوئی ہو جو سدا اس کی محبت میں اس کے گرد چکراتا رہے سورج مکھی کی طرح محض اسے تکتا رہے وہ جدھر بھی جائے جو بھی کہے بس اسے دیکھے اسے سنے ایسی ہی شدید محبت کی توقع وہ عورت سے کرتا ہے اور تمہارے تاؤ جی بھی چونکہ مرد ہیں اس لیے انہیں اس بات نے اٹریکٹ کیا ہے کہ اس عمر میں بھی اتنے گناہوں کے بعد بھی ایک عورت ہے جو انہیں پوجتی ہے انہیں سزا کے جنگل میں بھٹکنے نہیں دینا چاہتی ایک عورت ہے جو اپنے دل میں ان کی تصویر سجائے محبت کے اسم پڑھتی جاتی ہے۔

ایمن محبت کی اس دیوانگی نے انہیں اماں کا اسیر کیا ہے اور دراصل وہ اب اس عورت کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس عورت کو دیکھیں جو ان کی محبت میں پور پور ڈوب چکی ہے۔

خود سوچو کتنے فخر کا احساس ہوتا ہوگا انہیں کہ عمر کے اس ڈھلتے حصے میں بھی کوئی ان کے لیے اپنے سارے لمحوں ساری سوچوں کو رہن رکھے ہوئے ہے۔

خود ہی بتاؤ، کون سی عورت ان کے لیے قابل فخر ہوگی وہ، جو اپنے بچوں میں کھو کر کبھی کبھی ان سے محبت کے اسم دہراتی ہے یا پھر وہ جو ساری دنیا تیاگ کر ایک صرف ان کے تصور کے سہارے زندگی گزار رہی ہے۔

ایمن تمہارے تاؤ جی محض خود پرست انسان ہیں اور کچھ نہیں ان لمحوں میں جبکہ انہیں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا چاہیے اب جبکہ ان کی وجہ سے ان کی اولاد شرمندگی کی بھٹی میں تپ رہی ہے انہیں اس عورت کی محبت محسوس کرنے کی طلب ہو رہی ہے، جو محض ان کے لیے دنیا کو تیاگ چکی ہے ایمن معذرت کے ساتھ تمہارے تاؤ جی سے بڑھ کر خود غرض شاید ہی کوئی شخص ہو۔" رحل نے بڑی سنجیدگی سے زوار حسن آفندی کا کتھارسس کر کے ایمن کو ان کی اصل شخصیت سے آگاہ کیا تھا۔

"ہوں شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔"

"شاید نہیں یقیناً" بہرحال چھوڑو اس بات کو تم بتاؤ تم کب آؤ گی مجھ سے ملنے۔" رحل نے پتہ نہیں اس کا یا اپنا دھیان بٹایا تھا۔

"تم دعا کرو آشان ٹھیک ہو جائے پھر انشاء اللہ جلد ہی۔"

"میں دعا کروں گی بہرحال اللہ بہتر کرے گا ویسے اگلے مہینے کی سات کو ہمارے ہاں فنکشن ہو رہا ہے لالہ جی تمہیں اور تمہاری فیملی کو انوائیٹ کریں گے ضرور آنا ٹھیک ہے ناں۔" رحل نے بتایا تھا۔

"رحل گھنی لڑکی اب بتا رہی ہو شیم آن یو یعنی میں فون نہ کرتی تو تم نے بتانا ہی نہیں تھا کتنی بری بات ہے" ایمن نے اپنے مخصوص انداز میں اسے گھر کا تو وہ ہنس دی۔

"ارے نہیں، میں نے خود تمہیں فون کرنا تھا بس ٹائم ہی نہیں ملتا تھا" رحل نے معذرت کی تھی۔

"ہاں اب تو تم یہ ہی کہو گی بہرحال میں کوشش کروں گی کہ پہلے نہ سہی مگر سات کو تو ضرور حاضری دوں بس تم ہمارے لیے دعا کرتی رہنا" ایمن نے کہا تو رحل نے انشاءاللہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" ریسیور رکھ کر پلٹی تو اماں کو سامنے موجود پایا۔

"ایمن کا تھا؟"

"اچھا ٹھیک ہے وہ۔" اماں نے پوچھا تھا۔

"جی آپ کا پوچھ رہی تھی اور سلام کہہ رہی تھی۔"

"وعلیکم السلام عرفات لالہ سے میں کہوں گی کہ ایمن کو بھی انوائیٹ کرلیں اچھی بچی ہے ٹھیک ہے ناں۔" اماں نے پوچھا۔

"جی اماں میں نے بھی اسے کہا ہے۔" رحل نے بتایا۔

"رحل تم خوش ہو ناں۔" اماں نے بہت دفعہ کا پوچھا سوال دوبارہ پوچھا تھا۔

"ہوں اماں آپ کیوں بار بار پوچھتی ہیں آپ کی قسم میں خوش ہوں۔" اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے یقین دلایا تھا۔

"پتہ نہیں کیوں تم مجھے مکمل خوش دکھائی نہیں دیتیں یوں جیسے کوئی الجھن تمہیں لاحق ہو ایسا ہی لگتا ہے مجھے۔" اماں نے گویا اس کا دل پڑھا تھا۔

"اماں وہ۔۔۔" وہ جھجکی تھی پھر ایک لمحہ رک کر اس نے بنا انہیں دیکھے کہا تھا "اماں وہ ابو ہریرہ کو سب کچھ پتہ ہے کیا؟"

"پتہ چل گیا ہو گا اسے آخر اس دن وہ بھی تو ادھر موجود تھا۔"

"اماں رشتوں میں اعتماد سب سے پہلی شرط ہوتی ہے۔ آپ ابو ہریرہ کو سب کچھ بتا دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کے دل میں کوئی شک یا غلط خیال ابھرے لاعلمی مسائل کو جنم دیتی ہے اماں، بہتر ہے کہ آپ انہیں سب کچھ تفصیل سے بتا دیں۔" رحل نے ان سے نظریں ملائے بغیر کہا تھا۔

"اچھا تو میری بیٹی اس لیے پریشان ہو رہی تھی۔" اماں ہنسیں جب کہ اسے اس لمحہ اپنا آپ بہت عجیب سا لگا تھا۔

"تم فکر مت کرو ابو ہریرہ بہت اچھا ہے کچھ نہیں ہوتا۔" اماں نے عجیب بے نیازی سے کہا تھا جبکہ وہ حیران ان کی بس شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

"عجیب ہیں اماں بھی یعنی ان کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ابو ہریرہ لاکھ اچھا سہی مگر آدھی بات تو ہر شخص کو وہم میں مبتلا رکھنے کی آدھا علم کتنا نقصان دہ ہوتا ہے کوئی کیا جانے؟ اب میں اماں کو کس طرح سمجھاؤں لگتا ہے مجھے خود ہی ابو ہریرہ سے بات کرنا ہو گی۔" رحل نے دل ہی دل میں سوچا تھا اور کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اتنی بڑی ان دنیاؤں میں
اپنے نام کی تختی والی ایک عمارت
کتنے دکھوں کی اینٹیں چن کر گھر بنتی ہے
پتھر پتھر جوڑ کے دیکھو
میں نے بھی اک گھر ہے بنایا
رنگوں، پھولوں، تصویروں سے اس کو سجایا
دروازے کی لوح پہ اپنا نام لکھایا
لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہو

پرسوں اسے مایوں بٹھایا جانا تھا سو مامی تمکین زرتاشہ اور اماں تمام ضروری امور کل تک سرانجام دے دینا چاہتی تھیں۔ خاص طور پر زرتاشہ اس کی اور اپنی فرینڈز کو دعوت نامے آج کل میں ہی دے دینا چاہتی تھی دور کے شہروں میں رہنے والے تمام لوگوں کو پیغام دیے جا چکے تھے اب بس زرتاشہ کی ایک دو فرینڈز اور تمکین مامی کے کچھ جاننے والے رہتے تھے سو آج وہ دونوں اسی مہم کو سر کرنے نکلی تھیں اماں کچھ بیماری کی وجہ سے کچھ اس کے اکیلے ہونے کے خیال سے اس کے پاس ہی رک گئی تھیں۔ اس وقت بھی وہ ان سے باتیں کرنے میں محو تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر چونک گئی۔

"دیکھنا رحل باہر کون ہے میں ذرا وضو کر کے نماز پڑھ لوں۔" اماں نے اسے کہا تھا جبکہ وہ اماں کے اس حکم پر حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے اماں کی عموماً یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ اسے دروازے تک نہ جانے دیں ایک قسم کا مکمل پردہ ہو رہا تھا اس کا مگر آج؟

دل ہی دل میں حیران ہوتی وہ گیٹ تک آئی تھی اور اپنے سوال کے جواب میں دوسری طرف ابو ہریرہ کی آواز سن کر اس کی حیرانی دوچند ہو گئی تھی۔

"آپ اس وقت خیریت؟" گیٹ کھول کر اس نے سب سے پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔

"ہاں بھئی خیریت ہے کیا اب لنچ ٹائم پر لنچ کے لیے گھر آنا بھی خیریت کو مشکوک بنا دیتا ہے۔" انہوں نے سوال کیا تھا۔

"نہیں ایسا تو نہیں ہے مگر یوں بغیر گاڑی کے اور۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"ہاں وہ بابا شاید زرتاشہ اور امی کو لے کر گئے ہیں اس لیے آج ٹیکسی سے آیا ہوں بہرحال سوال بعد میں پہلے کھانا دے دو سخت بھوک لگی ہے۔" ابو ہریرہ نے

کہا تو اسے دھیان آیا سو جلدی سے کچن میں گئی اور کھانا گرم کرنے لگی۔

جتنی دیر اسے کھانا گرم کرنے میں لگی اتنی دیر میں ابو ہریرہ بھی منہ ہاتھ دھو کر کچن میں پہنچ گئے تھے۔

"کیا بنایا ہے آج؟"

"مٹر قیمہ اور رائتہ۔" رحل نے دھیمے سے جواب دیا تھا پہلے تو پریشانی میں خیال نہ رہا تھا مگر اب یکدم ہی احساس ہوا کہ وہ کتنے دنوں بعد یوں ان کے سامنے آئی ہے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اسے۔

"واہ زبردست کس نے بنایا ہے تم نے۔" انہوں نے پوچھا تھا۔

"نہیں زرتاشہ نے بنایا ہے۔"

"ہاں تم تو ابھی نہیں بناؤ گی ہے ناں۔" بڑا معنی خیز سا انداز تھا ان کا اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"کسی اور چیز کی تو ضرورت نہیں۔" اس نے ٹیبل پر کھانا چنتے ہوئے پوچھا تھا۔ "یوں گویا جانے کی اجازت مانگ رہی ہو۔

"ہے۔۔"

"کس کی۔۔؟"

"تمہاری۔" ابو ہریرہ کے بے ساختہ انداز پر وہ نظریں جھکا کر رہ گئی تھی۔

"رحل اگر قسمت سے سامنے آ ہی گئی ہو تو تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ میں کھانا تو نہیں جاؤں گا تمہیں۔"

"نہیں وہ میں اماں۔" ابو ہریرہ کے انداز اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔

"کچھ نہیں کہتیں پھپھو انہیں پتہ ہے بس تم میرے پاس بیٹھو ورنہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔" ابو ہریرہ نے گویا دھمکی دی تھی۔ سوناچار وہ ادھر ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے کھانا کھالیا؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا اس کے ہتھیار پھینک دینے والے اسٹائل نے انہیں گویا خوش کر دیا تھا۔

"جی!"

"چلو کوئی بات نہیں ایک ہفتے کی بات ہے پھر تو تم کھانے پر میرا انتظار کیا کرو گی ہے ناں۔" ابو ہریرہ نے پوچھا تو اس کا دل دھڑک سا اٹھا۔

"مم" مم میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" اس نے ان کی لو دیتی نظروں سے نظریں چراتے ہوئے ان کا دھیان بٹایا تھا۔

"ہوں کہو!"

"وہ میں میں دراصل اماں اور زوار حسین کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی" اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بات کس طرح شروع کرے کچھ ابو ہریرہ کی نظروں کے جمود نے اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"رحل۔" کچھ لمحے اس کے بولنے کا انتظار کر کے ابو ہریرہ نے اسے پکارا۔

"جی!"

"رحل شاید میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا میرا اور تمہارا رشتہ محبت سے زیادہ اعتماد کا ہے پتہ ہے جہاں اعتماد ہو وہاں محبت خود بخود آجاتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں محبت ہو وہاں اعتماد بھی آجائے۔

میرے دل میں تمہاری محبت سے زیادہ تمہارا اعتبار ہے جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں اور جن کا قصور ہے ان کی سزا میں تمہیں نہیں دے سکتا اس لیے کہ تمہارے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی ان کا رشتہ ہے اور اگر ان کے قصور کی سزا تمہیں دی جائے گی تو پھر اس سزا کے دائرے میں مجھے بھی اپنی ذات کو لانا ہو گا ایسے میں ہم سزا کا کیوں سوچیں نوید گر سنانی ہی ہے تو معافی کی کیوں نہ ہو محبت کی کیوں نہ ہو!"

"رحل!"

ابو ہریرہ نے اس کے جھکے سر کو دیکھ کر اسے پکارا تھا۔ پھر اس کے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے پر اپنی بات شروع کی تھی۔

"مجھے پھپھو نے بتایا تھا کہ تم میری وجہ سے پریشان ہو آج اسی لیے میں آیا ہوں کہ تم سے تمہاری پریشانیاں شیئر کرلوں رحل تم میرے وجود کا بقیہ آدھا حصہ ہو میں تمہیں ٹارچر نہیں کر سکتا میں تم سے دور نہیں رہ سکتا تمہیں بے اعتبار کر کے میں اپنا اعتبار قائم نہیں کر سکتا۔

اور تم پاگل ہو جو اتنا عرصہ مجھے کلیئر کرنے کا سوچتی رہیں۔ کبھی تم نے سوچا کہ اگر میری رضامندی نہ ہوتی تو یوں رخصتی کی تیاریاں بھی نہ ہو رہی ہوتیں اور پھر بابا نہ سہی مگر امی تو مجھے کبھی بے خبر نہیں رکھ سکتیں انہوں نے نکاح سے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا' صرف اس لیے کہ بعد میں مجھے اگر پتہ چلا تو کہیں میں کوئی انتہائی قدم اٹھا کر پھپھو کو دکھ دینے کے سبب نہ بن جاؤں۔" ابو ہریرہ نے کہا تو اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

"واقعی!"

"یقین کرو میرا۔" ابو ہریرہ مسکرائے تو اس نے سر جھکا لیا۔

"رحل' پھپھو سے جو کچھ ہوا اس کے اچھے یا برے ہونے پر ہم کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتے مگر میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں اور وہ بھی پورے یقین سے کہ پھپھو کی محبت ان کی عزت کبھی بھی ہمارے دل سے کم نہیں ہو سکتی یقین کرو۔" ابو ہریرہ نے کہا تو وہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دی۔

"تھینک یو ابو ہریرہ آپ نے میرا بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا۔" رحل نے کہا تھا۔

"اور میرا بوجھ کب ہلکا کرو گی تم؟"

"کون سا بوجھ؟"

"رحل یاد ہے تم نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا؟"

"کیسا وعدہ؟"

"اف اس کا مطلب ہے تم بھول گئیں۔" ابو ہریرہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں مجھے یاد ہے۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"یاد ہے تمہیں۔" ابو ہریرہ نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہوں!"

"پھر بتاؤ کیا تھا وہ وعدہ؟"

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو مجھ پر بہت اعتماد ہے۔ پھر کیا یہ اعتماد نہیں کہ میں آپ سے کیا ہوا وعدہ یاد رکھوں گی۔" رحل نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"اعتماد تو ہے مگر تمہارے دل سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا اپنے گھر سے بھی کوئی ڈرتا ہے؟" رحل نے بے ساختہ کہا تو ابو ہریرہ ہنس دیے۔

"رحل؟" بہت دیر تک ہنسنے کے بعد ابو ہریرہ نے اسے پکارا تھا۔

"جی۔۔!"

"ایک بات پوچھوں سچ سچ بتاؤ گی؟"

"میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی آئندہ کبھی مجھ سے اس طرح مت پوچھیے گا۔" رحل نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"اچھی بات ہے اب ذرا جلدی سے یہ تو بتاؤ کہ۔"

"میری محبت نے کب تمہارے در دل پر دستک دی تھی؟" ابو ہریرہ نے سوال کیا تو بے ساختہ اس کی نظریں جھک سی گئی تھیں۔

"مجھے نہیں پتہ؟" دھیرے سے اس نے کہا تھا۔

"یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی میری محبت تمہارے دل کی مکیں بنی تم مجھے بتاؤ گی۔ مگر تم نے نہیں بتایا آج بھی اگر میں نہ پوچھتا تو شاید تم نہ بتاتیں۔" ابو ہریرہ نے گویا شکوہ کیا تھا۔

"مم' مجھے شرم آ رہی تھی۔" رحل نے کہا تو ابو ہریرہ بے ساختہ ہنس دیے۔

"ارے' واقعی۔" انہوں نے کہا اور پھر ہنس دیے۔

"پتہ ہے رحل آج میں بہت خوش ہوں کیا تم بھی؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"جی؟"

"ابو ہریرہ۔" رحل نے انہیں کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد پکارا تھا۔

"پتہ ہے رحل جب تم مجھے پکارتی ہو تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے یوں جیسے ساری کائنات میرے اس ایک نام کو سننے کو ٹھہر گئی ہو۔ بس تمہارے دھیمے سر بجتے ہیں اس لمحے ـــــ ہر سو خاموشی ہوتی ہے صرف تمہاری آواز ہی دھڑکتی ہے اس پل میں اور بس کچھ بھی کہیں بھی نہیں ہوتا۔" ابو ہریرہ نے کہا تو وہ شرما

دی۔

"پلیز!"

"اچھا کہو کیا کہہ رہی تھیں۔"

"کیا یہ اعتماد اور محبت اسی طرح رہے گی۔"

"ہاں انشاء اللہ۔"

"پتہ ہے اس دن جب آشان اور زوار حسن آفندی آئے تھے مجھے آپ کے تاثرات بڑے عجیب لگے تھے پتہ نہیں کیوں۔ کیا ہوا تھا اس دن۔" رحل نے دل کی بات پوچھی تھی۔

"اس دن کچھ نہیں بس میں نہیں چاہتا تھا کہ تم وہ بات سنو جو زوار حسن کہنا چاہتا تھا تمہارے لیے اذیت ہی تو تھی میں نے بابا کو بھی منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانے۔"

"کیوں منع کیا تھا انہیں آپ نے؟"

"تو اور کیا نہیں کرتا خود بتاؤ جب تمہیں زوار حسن کی خواہش کا علم ہوا تھا کیا تمہیں دکھ نہیں پہنچا تھا۔ کتنی گندی خواہش تھی وہ" ابو ہریرہ نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں بات تو درست ہے۔ مگر میرا سامنا ضروری تھا اس لیے کہ اماں سامنے آنا نہیں چاہ رہی تھیں اور زوار حسن آفندی کو مجھے دیکھ کر ہی حقیقت حال معلوم ہوتی اس لیے میرے خیال میں تو لالہ جی نے اچھا ہی کیا تھا۔" رحل نے کہا۔

"ہاں تمہیں تو یوں بھی بابا بہت اچھے لگتے ہیں۔" ابو ہریرہ نے مصنوعی غصے سے کہا تھا۔

"وہ ہیں ہی اچھے اس لیے اچھے تو لگیں گے کیا آپ کو اچھے نہیں لگتے؟" رحل نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"تو میرے تو بابا ہیں مجھے کیوں نہیں اچھے لگیں گے۔" ابو ہریرہ نے فوراً کہا تو وہ ہنس دی۔

"ہاں وہ واقعی بہت اچھے ہیں کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے لالہ جی کے دم سے یہ دنیا آباد ہو حسین ہو اور اگر وہ نہ ہوتے تو شاید یہ دنیا بہت بد صورت ہوتی ہے ناں۔" رحل نے کہا تو ابو ہریرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو رحل یہ دنیا شاید بابا جیسے لوگوں کی وجہ سے خوب صورت نظر آتی ہے اور آج رحل میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی مجھے موقع دیا گیا تو میں بابا جیسے لوگوں کی صف میں کھڑا ہونا پسند کروں گا ٹھیک ہے ناں۔" ابو ہریرہ نے پوچھا تھا۔

"ابو ہریرہ یہ موقع ملنے کی بات نہیں ہے ہر انسان کو روز ازل سے یہ اختیار سونپ دیا گیا ہے کہ آپ کس کی صف میں کھڑے ہوں زوار حسن کی یا پھر عرفات لالہ کی لالہ جی جیسا بننا بہت مشکل ہے اور زوار حسن جیسا بننا بہت آسان اب چاہے ہم اپنے لیے آسانیاں لے لیں یا مشکلات یہ تو ہم پر ہے' ہے ناں۔"

"ہوں اور میں یہ مشکل راستہ اختیار کروں گا کیونکہ میں بابا کا بیٹا ہوں' اور تم میرا ساتھ دو گی ناں رحل۔" ابو ہریرہ نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یقیناً" کیونکہ یہ ہی راستہ ہماری منزل ہے۔" رحل نے کہا تو ابو ہریرہ نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"اور تمہیں پتہ ہے منزل تک پہنچنے میں کونسی چیز مدد دیتی ہے؟"

"جی' اعتبار اور صرف اعتبار۔" رحل نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیے۔

"ہوں اور اس اعتبار کو بڑھنا چاہیے کم نہیں ہونا چاہیے ٹھیک ہے ناں۔"

"انشاء اللہ!" رحل نے کہا تو کچن کے پاس کھڑی اماں نے بے ساختہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

خدایا تیرا شکر ہے جو حقیقت میں نہیں سمجھ سکی تھی وہ میرے بچوں نے پالی۔

کتنی آسان سی بات تھی لیکن ایک عمر گزرنے کے بعد میری سمجھ میں آئی کہ محبت کچھ بھی نہیں محض دو لمحوں کی راکھ دو دلوں کی بھول اور بس ساری بات تو اعتماد کی ہے جو سدا من کو روشن رکھتا ہے محبت تو محض دلوں میں آگ لگاتی ہے اور آگ تو بس جلاتی ہے اور کچھ نہیں کرتی۔

Nadia Majid